قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا اناسی واں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

مئی 2022ء

''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے





علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

عید مبارک جشنِ نزولِ قرآن مجید

پر پیشگی ہدیہ تبریک قبول فرمایئے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ (10:58-57)

اے نوعِ انسانی! تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات آ گیا ہے جو ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے سینوں کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو قوم اس کی صداقتوں پر یقین رکھتی ہے یہ اس کی راہنمائی، زندگی کی منزلِ مقصود کی طرف کرتا ہے اور اسے سامانِ نشوونما سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔

کہو کہ یہ خدا کے فضل و رحمت سے عطا ہوا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسے ضابطۂ حیات کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ یہ اس تمام ساز و سامان سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے ہو۔

طلوعِ اسلام کا مقصد

جو احباب طلوع اسلام سے تعارف نہیں رکھتے ان کی آگاہی کے لئے ہم طلوع اسلام کے مقصد کو وقتاً فوقتاً سامنے لاتے رہتے ہیں:

1- تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کرسکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

2- خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتمآب ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

3- قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

4- نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

5- دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہوسکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہوسکتا۔

6- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

7- رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

مئی 2022ء

جلد 75 | شمارہ نمبر 5

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول

اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ

پاکستان: 600 روپے سالانہ

رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: ہم عیدالفطر کیوں مناتے ہیں؟	ادارہ	4
یکم مئی (قرآن کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے)	سید حیات النبی رضوی، کراچی	8
نماز کی اہمیت	علامہ پرویز علیہ الرحمۃ	14
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا	خورشید انور	22
سورۃ یوسف پر ایک نظر (ایمان اور اعمالِ صالح کی روشنی میں)	ڈاکٹر اعجاز رسول، گلاسگو، یوکے	26
خیرات (CHARITY) لینے اور دینے والے	ادارہ	34
تُو آئے تو لگتا ہے اپنی بھی سحر ہوگی!	ادارہ	38
مردِ مومن کی خوبیاں	کاشف راز	48
اسلامی نظام کے قیام سے مقاصد عالیہ حاصل ہوتے ہیں	خواجہ ازہر عباس، کراچی	50

ENGLISH SECTION

The Human Self and Allah

By G. A. Parwez (Translated by: Dr. Ejaz Rasool)

Episode No.6

59

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)

Phone: 042-35714546

Cell: +92 310-4800818

idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions

Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions

IBAN:PK36NBPA0465004073177672

Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے، معمارِ جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
جہانِ آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ہم عید الفطر کیوں مناتے ہیں؟

عید الفطر

دنیا کی ہر قوم کوئی نہ کوئی تہوار مناتی ہے۔ ہم بھی سال کے مختلف دنوں میں بعض تیوہار مناتے ہیں لیکن اس عید کا تہوار وہ ہے جسے بطور جشن مسرت منانے کا حکم خود خدا نے دیا ہے۔ اس سے اس تیوہار کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سورہ یونس میں ہے:

''اے نوع انسان تمہارے رب کی جانب سے ایک ضابطہ قوانین نازل ہوا ہے جو انسان کی تمام نفسیاتی بیماریوں کا علاج اپنے اندر رکھتا ہے اور ان کے لئے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھیں سامان پرورش اور منزل انسانیت تک پہنچنے کی راہنمائی ہے۔'' (10:57)۔

اس کے بعد فرمایا:

''اے رسول! ان سے کہہ دو کہ یہ خدا کے فضل و رحمت سے ہے کہ ایسا بے مثال ضابطہ زندگی مل گیا ہے تم کیا اگر ساری دنیا کے انسان بھی مل کر کوشش کرتے تو اس جیسا ضابطہ نہ مل سکتا' لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسی قیمتی چیز کے اس طرح مفت مل جانے پر جشن مسرت مناؤ۔ وہ دولت کہ انسان جو کچھ بھی جمع کرے یہ اس سے زیادہ قیمتی ہے۔'' (10:58)۔

یہ ہے وہ تقریب جسے بطور جشن منانے کی تاکید خدا نے کی ہے یعنی جشن نزول قرآن اور نزول قرآن کی ابتداء چونکہ رمضان کے مہینے میں ہوئی تھی (2:185) اس لئے رمضان کا پورا مہینہ گویا اس جشن کی تیاریوں کے لئے تھا اور عید الفطر اس جشن کی تکمیل کا دن۔ پورے تیس دن کے روزے تیاری میں۔ یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بال آخر ہمیں دیا کیا ہے جس کے لئے ہم سے جشن مسرت منانے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس سوال کا جواب قرآن یہ دیتا ہے کہ وہ انسان کو اس کے صحیح مقام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے کہا ہے کہ۔۔۔ اے رسول! ہم نے یہ کتاب تیری طرف اس لئے نازل کی ہے کہ تو اس شمع نورانی کے ذریعے نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے (10:57-58)۔ ذرا سوچئے کہ تاریکی میں کیا ہوتا ہے اور روشنی اس کی جگہ کیا کرتی ہے؟ تاریکی میں کسی شے کا مقام متعین نہیں ہوتا۔ روشنی میں ہر شے اپنی صحیح حقیقت کے ساتھ اپنے مقام پر نظر آ جاتی ہے۔ یہ تاریکی ہی ہے جس میں ہم رسی کو سانپ اور سانپ۔ کو بعض

اوقات رسی سمجھ لیتے ہیں۔ روشنی آ جانے سے رسی رسی اور سانپ سانپ کی شکل میں سامنے آ جاتا ہے۔

نزول قرآن سے قبل تاریکیاں:

نزول قرآن سے پہلے انسان پر اس قدر تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں کہ نہ وہ خارجی کائنات کی کسی شے کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکتا تھا نہ وہ اپنے مقام سے آگاہ تھا۔

یہ تاریکیاں کیا تھیں؟ دل و دماغ کی تاریکیاں' فکر و نظر کی تاریکیاں یعنی جہالت اور توہم پرستی کی تاریکیاں۔ مختصراً یہ کہ اپنے مقام سے بیگانگی کی تاریکیاں اور حقیقت یہ ہے کہ تمام تاریکیوں کا منبع یہی تاریکی تھی باقی سب تاریکیاں اس کی پیداوار تھیں۔ اگر انسان پر اس کا صحیح مقام روشن ہو جائے تو یہ تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے انسان کا صحیح مقام کیا بتایا ہے؟ اس سوال کی تفصیل میں جانا چاہیں تو اس کے لئے سارے کا سارا قرآن سامنے لانا پڑے گا جس کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں' لہٰذا اس کے صرف چند ایک گوشے ہی سامنے لائے جا سکتے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ نزول قرآن سے پہلے انسان کن تاریکیوں میں ڈوبا ہوا اور کن پستیوں میں گرا ہوا تھا۔ نزول قرآن کے وقت انسان کی کیفیت یہ تھی کہ۔۔۔ انسان' انسان کی پرستش کرتا تھا۔ غلامی کا جواء اس کی گردن میں پڑا ہوا تھا۔ کہیں ملوکیت کا فولادی پنجہ اس کی رگ جان کو دبائے ہوئے تھا۔ کہیں رہبانیت کی غیر فطری زندگی اس کے دل و دماغ کو بری طرح ناکارہ بنائے ہوئے تھی۔ کہیں سرمایہ دار کی ہوس اس کے خون کا آخری قطرہ تک چوس رہی تھی۔ یہ تھی انسان کی کیفیت۔

توہم پرستی:

جب قرآن آیا اور اس نے اعلان کیا کہ خدا کے اس رسول ﷺ کے ظہور کا مقصد یہ ہے کہ یہ ان تمام زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں انسان جکڑا چلا آ رہا ہے۔ یہ اس کے سر سے ان بوجھل سلوں کو اتار پھینکے گا جن کے بوجھ سے یہ کچلا جا رہا ہے (7:157)۔ ان زنجیروں میں سب سے پہلی زنجیر اس کی توہم پرستی کی تھی جس کی رو سے یہ خارجی کائنات کی ہر قوت سے ڈرتا تھا۔ بادل گرجا اور یہ سہم گیا۔ بجلی کڑکی اور یہ دبک کر بیٹھ گیا۔ پہاڑ سامنے آیا تو اس کی ہیبت سے لرز اٹھا۔ ان قوتوں کے خطرات سے بچنے کے لئے اس کے ذہن میں ایک ہی طریق آ سکتا تھا اور وہ یہ کہ ان قوتوں کو خدا تسلیم کر لیا جائے' ان کے سامنے جھکا جائے' ان کی پرستش کی جائے' ان کے حضور قربانیاں دے کر انہیں خوش کرنے کی کوشش کی جائے۔

مقام آدمیت:

خارجی قوتوں کے مقابلہ میں یہ تھا وہ مقام جو انسان نے اپنے لئے تجویز کر رکھا تھا۔ قرآن آیا اور اس نے کہا کہ تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ۔۔۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اسے خدا نے تمہارے فائدے کے لئے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ (45:12-13، 31:20) اگر تم ذرا غور و فکر سے کام لو تو یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان کا مقام کیا ہے اور تمہارا مقام کیا۔ یہ سب خادم ہیں اور انسان ان کا مخدوم۔ یہ سب قوانین خداوندی کے تابع

زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور انسان کو ان قوانین کا علم دے دیا گیا ہے۔ جوں جوں تم ان قوانین کا علم حاصل کرتے جاؤ گے یہ قوتیں تمہارے سامنے جھکتی جائیں گی۔

سنت اللہ:

یہ قوانین جن کے مطابق یہ بڑی بڑی قوتیں مصروف عمل ہیں' اٹل ہیں' نہ بدلنے والے قوانین ہیں۔ اس لئے تمہیں اس کا خدشہ نہیں ہونا چاہئے کہ نہ معلوم کس وقت یہ قانون بدل جائے اور یہ قوتیں میرے قابو سے نکل جائیں۔ یہاں پر ہر بات قانون کے مطابق ہوتی ہے' قانون کے مطابق ہوتی رہے گی اور ان قوانین میں کبھی بھی تبدیلی نہیں آئے گی (33:62)۔ یہ تھا وہ آئینہ جس میں قرآن نے انسان کو اس کی حقیقی شکل دکھائی تو وہ ایک ہی جست میں مسجود ملائک اور مخدوم کائنات بن گیا۔ انسان کے لئے مجبور محض اشیائے کائنات کو مسخر کر لینا پھر بھی آسان تھا' مشکل مرحلہ وہ تھا جہاں انسان دوسرے انسان کے ظلم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ زنجیر انسانی حکمرانی کی تھی اور اس خوئے غلامی میں اسے اس قدر پختہ کر دیا گیا تھا کہ وہ انسانوں کی محکومیت کو اپنی فطرت کا تقاضہ اور ان کا پیدائشی حق سمجھنے لگ گیا تھا۔

حق حکومت:

قرآن کریم آیا اور اس نے اعلان کیا کہ۔۔۔ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں' خواہ خدا نے اسے کتاب' حکومت حتیٰ کہ نبوت بھی کیوں نہ دی ہو' کہ وہ دوسرے انسانوں سے کہے کہ تم خدا سے ورے میری محکومی اختیار کرو۔ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس کتاب خداوندی کی اطاعت کرو جسے تم پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو (79-3:78)۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم کے اس اعلان نے انسان کو کس طرح ہر قسم کی انسانی غلامی سے نجات دلا کر اسے ایک خدا کی محکومیت کی دعوت دی۔ قرآن کریم کی ساری تعلیم اسی بنیادی نقطہ کی شرح ہے کہ۔۔۔ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کرو' ان کے علاوہ کسی انسان کی اطاعت مت کرو۔ (12:40) انسان کا تخلیقی مقصد یہ ہے کہ وہ صرف قوانین خداوندی کی محکومیت کرے اگر اس نے اس کے علاوہ کسی اور کی محکومی اختیار کی تو یہ اس کی تخلیق کے مقصد کے خلاف ہوگا۔ یہ تو تھا ملوکیت کا ظلم جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتا ہے لیکن یہ جھکنا انسان کے بدن کا تھا وہ چاہتا تو اپنے دل و دماغ کو اس سے آزاد رکھ سکتا تھا لیکن اس سے آگے انسان کے جھکنے کا وہ مقام آتا ہے جس میں اس کے دل و دماغ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

مذہبی پیشوائیت:

یہ غلامی تھی مذہبی پیشوائیت کی جو دوسرے انسانوں سے اپنی خدائی منواتی تھی۔ قرآن کریم نے انسان کو آواز دی اور اس سے کہا کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ جو مقدس نقابوں کی اوٹ میں خدا کے نمائندے بن کر تمہارے سامنے آتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ پیران طریقت ہوں یا علمائے شریعت ان کا سارا مسئلہ معاشی ہے لیکن یہ اسے مذہب کے پردے میں چھپائے رکھتے ہیں۔ ان میں اکثر کا یہ عالم ہے کہ خود کچھ نہیں کماتے اور دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں (9:34)۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ یہ لوگوں کو خدا کی راہ بتاتے ہیں لیکن درحقیقت انہیں خدا کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں۔

یہ خدا سے ورے خود خدا بن بیٹھے ہیں۔ اس لئے خدا تک پہنچنے ہی نہیں دیتے' راستے میں ہی روک لیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اگر لوگ خدا تک پہنچ جائیں یعنی اس کی اس کتاب کو اپنا راہنما بنا لیں تو ان خدا کے نمائندوں کا وجود ہی ختم ہو جائے۔ مذہبی پیشوائیت کی حکمرانی کا دائرہ زندہ انسانوں تک ہی محدود نہیں ہوتا ان کی حکومت ان کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ مرنے کے بعد ان کی گرہیں اور زیادہ مضبوط ہو جاتی ہیں۔ زندہ انسان ان مردوں کی بے پناہ قوتوں کے خیال سے کانپتا ہے' ان کے حضور منتیں مانتا اور نذانے گزارتا ہے۔ جہاں تک مُردوں کی غلامی کا تعلق تھا قرآن نے زندہ انسانوں سے کہا کہ ذرا سوچو کہ جن ہستیوں کو تم اپنا ''خدا'' سمجھ رہے ہو ان کی حالت یہ ہے کہ۔۔۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار کو سن نہیں سکتے اور اگر وہ بفرضِ محال تمہاری پکار سن بھی لیں تو اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی بے خبری کی یہ حالت ہے کہ ان مردوں کو خود اپنے متعلق بھی علم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے (46:4-5، 27:65، 25:3) لہٰذا ان سے ڈرنا کیوں اور ان سے مرادیں کیوں وابستہ کرنا۔ یہ انسان کی انتہائی پستی ہے کہ وہ مُردوں سے ڈرتا رہے اور انہیں اپنا حاجت روا تسلیم کرے۔

منشورِ آزادی:

انسان کو انسان کے آگے جھکانے کی ایک موثر تدبیر یہ تھی کہ اسے روٹی کا محتاج بنا دیا جائے اور اس طرح اسے بھوکا رکھ کر اس سے اپنا حکم منوا لیا جائے۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ رزق کے معاملے میں کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہیں ہے۔ ہم تمام افراد کے رزق کے ذمہ دار ہیں' ان کے بھی اور ان کی اولاد کے بھی۔ ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جس میں رزق کے سرچشمے انسانوں کی ملکیت میں رہنے کے بجائے تمام افرادِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ بنیں اور کوئی کسی کا محتاج و محکوم نہ ہو (17:31، 11:6، 6:152)۔ یہ تھے وہ تصورات جو قرآن نے دیئے اور اس طرح انسانوں کو ان کے صحیح مقام سے آگاہ کیا (17:70) اور ان سے کہہ دیا کہ اگر تم قرآنی قوانین پر کاربند ہو گے تو تمہیں ایک ایسا معاشرہ میسر آ جائے گا جس میں کیفیت یہ ہو گی کہ تمہیں نہ کسی قسم کا خطرہ ہو گا نہ خوف و حزن (10:62-64، 7:35، 2:37-38)۔ بلکہ ہر طرح کا اطمینان اور ہر طرح کی سلامتی میسر ہو گی۔

مساواتِ انسانی:

اس میں ہر انسانی بچے کو زندگی کی دوڑ میں مقابلے کے لئے ایک جیسا میدان ملے گا۔ نہ کسی سے بے جا رعایت ہو گی نہ کسی کے راستے میں رکاوٹ آئے گی۔ جس کا جی چاہے اپنی محنت سے آگے بڑھ جائے' جس کا جی چاہے اپنی بے عملی سے پیچھے رہ جائے۔ یہاں ہر فیصلہ انسان کے جوہرِ ذاتی اور عملِ مسلسل کے مطابق ہو گا (99:7-8، 46:19)۔ یہ نہ ہو گا کہ بڑے باپ کا بیٹا سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہو اور غریب کا بیٹا ابتدائی تعلیم تک بھی نہ حاصل کر سکے کیونکہ اس کے باپ کے پاس اسے سکول میں داخل کروانے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ یہ پیدائشی تفریق برہمن کی خود ساختہ زنجیریں تھیں جن میں وہ شودر کو جکڑے رکھتا تھا۔ قرآن کریم نے انسان کو ان تمام زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے نوعِ انسان کو قرآن دیا گیا اور اسے کہا گیا تھا کہ ایسے منشورِ حریت و آزادی کے عطا ہونے پر جشن مناؤ۔

☆.....☆.....☆

سید حیات النبی رضوی، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یکم مئی

قرآن کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے

یکم مئی 1886ء کو ''ھے مارکیٹ اسکوائر'' شکاگو امریکہ میں ایک بڑا حادثہ رونما ہوا جس کا اثر نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا پر پڑا۔ ایک صنعتی پلانٹ کے مزدوروں نے پولیس ایکشن کے خلاف ہڑتال کی اور مذکورہ بالا اسکوائر پر جمع ہوئے' اجتماعی اجلاس کے آخر میں کسی نامعلوم شخص نے بم کا دھماکہ کر دیا۔ بہت سے لوگ اور آٹھ پولیس والے بھی مارے گئے۔ متعلقہ حکام نے اس پر تشدد مظاہرہ کا سارا الزام مزدوروں پر ڈال دیا اور آٹھ مزدور لیڈروں کو اس الزام میں گرفتار کر لیا جبکہ یہ الزام کسی طور بھی ثابت نہ ہو سکا تھا کہ یہ مزدور لیڈر بم سازش میں شریک تھے۔ ان میں سے سات کو موت کی سزا سنائی گئی اور آٹھویں کو قید کیا گیا۔ سات میں سے چار کو پھانسی دے دی گئی اور ایک نے خودکشی کو فوقیت دی اور بقیہ دو کی موت کی سزا قیدِ سخت میں تبدیل کر دی گئی۔ یہ تین قیدی 1893ء میں ''الی نائیز'' کے گورنر جان آلٹ گیلڈ کے زمانے میں رہا کر دیئے گئے۔ مگر یہ تحریک یہیں ختم نہیں ہو گئی بلکہ ان مزدوروں کے خون نے رنگ لانا شروع کیا اور 1889ء میں ورلڈ سوشلسٹ پارٹیز کانگریس نے ہیرس میں امریکہ کی مزدوروں کی تحریک کا ساتھ دیتے ہوئے مزدوروں کے لئے آٹھ گھنٹے یومیہ کام کا مطالبہ کیا' انہوں نے یکم مئی 1890ء کا دن اپنی تحریک کے بھرپور مظاہرہ کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد تو بہت سے ممالک میں یکم مئی مزدوروں کے دن کے طور پر منایا جانا شروع ہو گیا۔ بڑے بڑے جلسے' مظاہرے اور سیمینار بلکہ محنت کشوں کی پریڈ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ یہ دن امریکہ میں ستمبر کی تحریک کے مماثل بھی سمجھا جاتا ہے جب 1882ء میں اول اول آٹھ گھنٹے یومیہ کام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ حکومتوں اور مزدور تحریکوں نے متفقہ طور پر یکم مئی کو مزدوروں کے دن کے طور پر تسلیم کر لیا اور اس دن عام تعطیل ہونے لگی' اس دن دنیا کے مزدوروں کے سلسلے میں تقاریر اور دیگر تقاریب کا اہتمام ہونے لگا۔ اگرچہ یہ واقعہ تو شکاگو امریکہ میں وقوع پذیر ہوا تھا مگر بالشویک روس اور دنیا کے دیگر سوشلسٹ و کمیونسٹ ممالک میں اس کی بازگشت بڑی تیز آواز کے ساتھ سنی گئی اور اس دن کو بڑے شایانِ شان طریقے سے منایا جانے لگا۔ پاکستان میں بھٹو صاحب کے زمانے میں اس دن کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور یہ ایک عام تعطیل کا دن تھا مگر اب مرکزی سرکاری حکومت کی طرف سے یہ تعطیل ختم کر دی گئی ہے۔

جہاں جہاں یکم مئی مزدوروں کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے اس کے مظاہروں سے ایک بات کا بڑے بیّن طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ اُن محنت کشوں کا دن ہے جو فیکٹریوں' کارخانوں اور مِلوں میں جسمانی محنت ومشقت کا کام انجام دیتے ہیں' ان مظاہروں میں مزدوروں کی ٹریڈ فیڈریشنیں' مزدور انجمنیں اور عام جسمانی محنت کش بھرپور طریقے سے شرکت کرتے ہیں اور معاشرے میں بھی یہ بات حقیقتِ ثابتہ کی طرح تسلیم کر لی گئی ہے کہ یہ مزدوروں کا دن ہے اور مزدور وہی ہوتا ہے جو جسمانی محنت ومشقت کے کام انجام دیتا ہے۔ سوشلسٹ روس نے بھی جب مزدوروں کی اور کسانوں کی حکومت کا نعرہ دیا تو اپنے سرخ پرچم کے لئے درانتی اور ہتھوڑے کا نشان پسند کیا' گویا مزدور سے مراد کھیت مزدور اور فیکٹریوں میں جسمانی مشقت انجام دینے والے انسان تھے۔ اگر ہم کسی لغت کو اٹھا کر دیکھیں تو وہاں بھی یہ نکتہ کارفرما نظر آتا ہے کہ مزدور کے بنیادی معنی میں جسمانی محنت ومشقت بنیادی عنصر ہے۔ مزدور کا لفظ دراصل دو لفظوں کا مرکب ہے' مُزد + وَر جس کے معنی محنت مزدوری کا معاوضہ حاصل کرنے والا ہیں۔ فارسی لفظ مُزد کے معنی مزدوری' اجرت' طلبِ تنخواہ' صلہ اور بدلہ کے ہیں۔ اسی لئے مزدور کے معنی مزدوری کرنے والا یا اجرت پر کام کرنے والے کے ہیں۔ مزدوری کے معنی لغت میں کام کا معاوضہ' محنت کا صلہ' مشقت اور محنتانہ دیئے گئے ہیں جبکہ مزدوری کرنے کے معنی محنت مشقت کا کام کرنا ہیں۔

اس تمام بحث سے ہماری مراد یہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں مزدور یا اس کا ہم معنی لفظ بولا جاتا ہے اس سے انسانوں کا وہ گروہ مراد ہے جو جسمانی محنت ومشقت انجام دیتا ہو' خواہ وہ زمین کو پھاوڑے اور گیتی سے کھودتا ہو' فیکٹری یا کارخانے میں کام کرتا ہو' کھیت مزدور ہو یا مشینوں پر انتہائی محنت ومشقت کے ساتھ خدمات انجام دیتا ہو۔ یورپ اور امریکہ میں ایسے لوگوں کے لئے ''نیلے کالر'' والوں کی اصطلاح عام ہے۔ جو لوگ دفاتر' مدارس یا دیگر تجارتی وعلمی کام انجام دیتے ہیں وہ الگ گروہ شمار ہوتے ہیں اور ''وہائٹ کالر'' والوں کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یکم مئی کے موقع پر جو ترانے اور گیت ریڈیو' ٹیلی ویژن سے نشر کئے جاتے ہیں وہ بھی کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں ؎

مزدور کے ماتھے پر محنت کا پسینہ ہے
ہر قطرہ ہے اک موتی' ہر موتی نگینہ ہے

گویا مزدور وہی ہے جو پسینہ بہا کر محنت ومشقت کی خدمات انجام دے رہا ہے اور اس گروہ میں وہ انسان ہرگز شامل نہیں ہیں جو حکیم' ڈاکٹر' اساتذہ یا سائنسدان وغیرہ ہیں۔

اس کے علاوہ ایک خیال آفرینی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ مزدوروں کا یہ طبقہ معاشرہ میں کمتر حیثیت کا حامل ہے جبکہ دوسرے طبقات اعلیٰ وارفع درجات رکھتے ہیں۔ یوں تو محنت کی عظمت کے گن گائے جاتے ہیں' کہا جاتا ہے کہ حضورؐ اپنی جوتیاں خود گانٹھ لیا کرتے تھے' جنگِ خندق میں عام مزدوروں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم بھی آپؐ ہی کا ہے مگر ان تمام لن ترانیوں کے باوجود پرنالہ وہیں گرتا ہے کہ بندہ

کوچہ گردی ہی کرتا رہتا ہے اور خواجہ بلند بام سے اترنے کا نام نہیں لیتا۔ مزدور کی حیثیت معاشرے میں ڈھکی چھپی نہیں' ہمارے ہاں کمی کمین کے الفاظ اس بات کی بھرپور غمازی کر رہے ہیں کہ ہاتھ سے کام کرنے والا کیا مقام رکھتا ہے' اس کے بیٹھنے کی جگہ کیا ہے' اسے دیگر لوگوں سے بات چیت کرنے کے لئے کن آداب کا خیال رکھنا ہوتا ہے' اس کے رشتے ناطے کن لوگوں سے ہو سکتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ اس کے خیال کی پرواز کیا ہونی چاہئے' بقول پرویزؒ صاحب کے کہ نماز تو محمود و ایاز ساتھ ہی مساوات کے ساتھ ادا کرتے ہیں مگر نماز کے بعد ایاز نے محمود کے جوتے اٹھائے اور پیچھے پیچھے چل پڑا' گویا ہر شخص کی ایک حیثیت مقرر ہے' آقا آقا ہے' مزدور مزدور ہے۔ بال جبریل میں علامہ اقبال نے لینن کی زبانی ''اللہ سے شکوہ'' کہلوایا ہے جس سے درج بالا کیفیات کا بھرپور اندازہ ہو جاتا ہے۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

اس بالِ جبریل میں علامہ فرماتے ہیں

''خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست تیرے فقیر حال مست بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی''

بندہ و آقا کی یہ تفریق' محنت و مشقت کرنے والے اور دیگر امور انجام دینے والے گروہوں میں یہ زمین و آسمان کا بعد اور معاشرہ میں ہر اس شخص کو بری نظر سے دیکھنے کا رواج جو جسمانی محنت و مشقت کرتا ہو اور ہر اس شخص کی عزت کا تصور جو کم از کم محنت کرتا ہو بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ سب سے زیادہ عزت اس کی ہوتی ہے جو کچھ نہ کرتا ہو بلکہ عیش کی کھاتا ہو۔ جاگیردار' خوانین' وڈیرے اور سرمایہ دار اگر کچھ نہ کرتے ہوں صرف حقہ گڑگڑاتے' اپنے کمی کمینوں پر احکامات صادر کرتے نظر آئیں تو ان کو حد درجہ قابل عزت' پرشکوہ اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان باتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے اور تجزیہ کیا جائے تو جو بات نکھر اور ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ محنت کرتے ہیں اور بعض لوگ نہیں کرتے اور معاشرہ نے ان گروہوں کی عزت و تکریم کے اپنے معیار بنا لئے ہیں۔ نیز یہ کلیہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر شخص کے لئے محنت کرنا ضروری نہیں' جس قدر محنت سے دور ہوں گے اسی قدر لائق احترام۔ یہ سب انسانوں کا خود ساختہ نظام ہے جس کی سزا مختلف گروہ بھگت رہے ہیں۔

اس ضمن میں اور اس موڑ پر فکر کا تقاضا ہے کہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم کیا رہنمائی کرتا ہے اور اس کی تعلیمات کیا ہیں' کیا وہ ان نظریات سے متفق ہے یا اس کی اپنی کوئی راہ ہے۔ محنت کے موضوع پر قرآن کریم کی 53 ویں سورت النجم کی 39 ویں آیت ایک ایسی چمکتی ہوئی روشن راہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے تمام معاملہ بالکل صاف' نکھر اور ابھر کر سامنے آ جاتا ہے اور تمام اشکال حل ہو جاتے ہیں' ارشاد ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (53:39) جس کے معنی ہیں کہ انسان کو اس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جس

کے لئے اس نے محنت نہ کی ہو، وہ صرف محنت کے ماحصل ہی کا حقدار ہے گویا:

''قرآنِ کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے''

یہ آیۂ کریمہ تمام انسانی گروہ کا رتبہ، درجہ اور ان کی حیثیت متعین کر دیتی ہے اور معاشرہ کی اس تفریق کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے جس نے محنت و مشقت کی بنیاد پر انسانوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا، ہر انسان پر ماسوا بچوں اور معذوروں کے محنت کا فریضہ از بس ضروری ہے اور وہ اپنی زندگی گزارنے کے لئے جو دولت یا اثاثہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اسے محنت کرنی ہوگی، بغیر محنت کئے اس کا کسی چیز پر حق نہیں۔ جب معاشرہ میں ہر شخص محنت کا پابند ہوگا تو ہر شخص محنت کش ہوگا، ہر شخص ''مزدور'' ہوگا اور اس طرح یکساں عزت کا حقدار ہوگا۔ معاشرہ میں یقیناً درجات ہوں گے مگر وہ اختلاف افعال کی وجہ سے ہوں گے، لوگوں کا مختلف اشغال کی طرف مائل ہونا اور مختلف پیشے اختیار کرنا بھی اللہ کی رحمت ہے ورنہ مختلف امور کا انجام پانا اور لوگوں کے اذواق کا مختلف نہ ہونا معاشرہ میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ سورۂ الزخرف جو قرآن کریم کی 43ویں سورت ہے اس کی آیت 32 ملاحظہ فرمائیے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ (43:32)

(ترجمہ) کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔

اب اگر محولہ بالا دونوں آیات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ انسان کا تعلق خواہ کسی گروہ سے ہو یعنی خواہ وہ جسمانی محنت و مشقت کرتا ہو چاہے اس کا ذریعہ آمدنی ذہنی کاوش ہو، ہر دو ذرائع میں محنت کا عنصر قدر مشترک ہوگا، اگر حصول زر کا کوئی ایسا ذریعہ تلاش کیا گیا ہے جس میں محنت موجود نہیں تو وہ اللہ کی نظر میں جائز نہیں اور ایسے ذریعہ سے اجتناب ضروری ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے جو ذرائع آمدنی اختیار کئے جاتے ہیں ان کو عمومی طور پر پانچ طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(1) عطیہ: کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کر دے مگر اس میں لین دین کا معاملہ نہیں ہوتا۔

(2) اجرت: محنت کا معاوضہ ہوتا ہے اس میں سرمایہ کچھ نہیں لگایا جاتا۔

(3) ربوٰ: دوسرے کو سرمایہ دیا جاتا ہے اور اس سرمایہ پر اصل سے زائد وصول کیا جاتا ہے، سرمایہ دینے والا محنت نہیں کرتا بلکہ دوسرے کی محنت کا ایک حصہ وصول کرتا ہے۔

(4) منافع: تجارت میں حاصل ہوتا ہے جس میں سرمایہ بھی لگایا جاتا ہے اور محنت بھی کی جاتی ہے۔

(5) قمار: قمار و میسرہ (جوئے) میں نہ سرمایہ لگایا جاتا ہے نہ محنت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے عطیہ، اجرت اور منافع حلال جائز ہیں جبکہ ربوٰ اور قمار کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ عطیہ میں تو چونکہ لین دین کا معاملہ ہوتا ہی نہیں اس لئے اس میں کسی قسم کی گفتگو کی زیادہ ضرورت نہیں البتہ جن دو چیزوں (اجرت اور منافع) کو جائز قرار دیا گیا ان میں محنت کا عنصر موجود ہے۔ اور جن دو چیزوں کو حرام قرار دیا گیا (ربوٰ اور قمار) ان میں محنت سرے سے موجود نہیں۔ گویا محنت ہی وہ رکنِ رکین ہے جو ذرائع آمدنی اور ہمارے نظامِ اقتصاد کی جڑ ہے، اصل و بنیاد ہے۔ اس موقع پر اگر اس بات کی بھی وضاحت کر دی جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ قرآنِ کریم کی رو سے جہاں ہر گروہ کے لئے محنت کا عنصر ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ سورۃ النساء کی 32 ویں آیت میں واضح کر دیا گیا کہ:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ (4:32)

(ترجمہ) اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو ان کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے۔

ہم نے اوپر سورہ النجم کی 39 ویں آیت کا جو حوالہ دیا ہے وہی ہمارے نظامِ اقتصاد کا قبلہ بھی متعین کرتی ہے۔ ہمارے ماہرین اقتصادیات جن کو اصلاً بوجھ بجھکڑ کہنا چاہئے وہ عوام الناس کو شراکت اور مضاربت جیسی اصطلاحات سے مرعوب کر کے موجودہ سودی بنکاری نظام کو مشرف بہ اسلام کرنے کے چکر میں لگے رہتے ہیں حالانکہ ان اصطلاحات کا تعلق دور کا بھی قرآن کریم سے نہیں ہے بلکہ حقیقتاً جن نظریات کا یہ پرچار کرتی ہیں وہ قرآن کریم کے نقیض ہیں، یہ اصطلاحات مسلمانوں کے دور ملوکیت کی پیداوار ہیں۔ یہ ماہرین اقتصادیات ایک نکتہ بڑے فخر کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ اسلامی بنکاری میں منافع (سود) متعین نہیں ہوگا اور اس طرح یہ شیر مادر کی طرح حلال ہو جائے گا۔ یہ حضرات اگر ذرا سا اس بات پر غور کر لیتے کہ قرآن کریم نے سورہ بقرہ کی 275 ویں آیت میں اس بات کی تشریح کر دی ہے کہ تجارتی منافع اور ربوٰ (سود) ایک جیسے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ربوٰ کو حرام اور تجارت کو حلال قرار دیا ہے۔ تجارتی منافع کو حلال کیوں قرار دیا اور سود کو حرام کیوں قرار دیا گیا، یہ بات بالکل واضح ہے کہ تجارت میں سرمایہ ضرور لگایا جاتا ہے مگر اس میں محنت بھی کی جاتی ہے اور دراصل یہ منافع اسی محنت کا ہوتا ہے، ہمارے بزرگ ''آٹے میں نمک'' کی بات ایسے موقع پر اسی لئے کہتے تھے۔ اب تجارت میں سرمایہ کا منافع (سود) بھی شامل کر لیا گیا ہے اور محاورہ الٹ گیا ہے یعنی ''نمک میں آٹا'' منافع ہونے لگا ہے۔ رہی بات ربوٰ کی تو اس کو اس لئے حرام قرار دیا گیا اور اسے تجارتی منافع کے غیر مماثل قرار دیا گیا کیونکہ اس میں محنت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اور یہ سرمایہ پر بڑھوتری ہوتی ہے جو ناجائز ہے۔ احادیث و روایات میں ایسی امثال بکثرت موجود ہیں جو شراکت و مضاربت کی نفی کرتی ہیں۔ صحاح ستہ کی ایک روایت حضرت رافع بن خدیج ؓ سے مروی ہے کہ:

''میں نے اپنے دونوں چچاؤں (ظہیر اور مہیر) سے سنا جبکہ وہ دونوں اپنے محلہ والوں سے کہہ رہے تھے کہ زمین کو کرایہ

پر بندوبست کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمادی ہے۔''

یہی راوی اپنے ماموں سے نقل کرتے ہیں۔

''میرے ماموں ایک دن آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی بات سے منع فرمادیا ہے جو تم لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش تھی مگر اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری ہمارے اور تمہارے لئے کہیں زیادہ نفع بخش ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تہائی اور چوتھائی پر اور کرایہ پر زمینیں دینے سے بالکل منع فرمادیا ہے۔'' (کنزالعمال)

جابر بن عبداللہؓ سے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ۔

''جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ زمین ہو اسے وہ خود ہی کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو بخش دے یا اپنی زمین کو یونہی پڑا رہنے دے۔''

ان احادیث و روایات سے بھی اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ ذرائع آمدنی کے لئے از خود محنت کی ضرورت ہے۔ دوسرے کی محنت پر آکاس بیل بن کر گزارہ کرنا حرامِ قطعی ہے اور ناجائز۔ محنت ہی وہ ذریعہ ہے، وہ عنصر ہے جو ہماری آمدنی کا واحد منبع و مخرج ہے اور اسی میں عظمت ہے۔ ہر شخص اپنا ذریعہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے چونکہ محنت پر مجبور ہے اس لئے ہر انسان از روئے قرآن کریم محنت کش ہے اور مزدور ہے خواہ وہ کسی قسم کی بھی محنت کرتا ہو، جسمانی یا دماغی۔ اسی نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف علامہ اقبال کے وہ اشعار نقل کرتا ہے جو انہوں نے خضر سے سوال جواب کی صورت میں بیان کئے ہیں۔ خضر سے سوال کیا گیا:

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟

خضر کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

علامہ پرویز علیہ الرحمۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نماز کی اہمیت

ایک صاحب نے مجھ سے حسب ذیل سوالات دریافت کئے ہیں۔

(1) آپ کہتے ہیں کہ اسلام قوانین خداوندی کا نام ہے۔ اس میں نماز کی اہمیت اور مقام کیا ہے؟

(2) نماز اور صلوٰۃ میں کیا فرق ہے۔ آپ نے کہیں اس کی صراحت کی ہے کہ صلوٰۃ سے مراد نماز ہے؟

(3) کیا آپ نماز کی موجودہ شکل کے علاوہ کوئی اور شکل تجویز کرتے ہیں؟

جواب

(1) اسلام نام ہے زندگی کے ہر شعبے میں احکام خداوندی کے سامنے سرِتسلیم خم کر دینے کا۔ ان کی پوری پوری اطاعت کرنے کا۔ نماز اس طرح سرِتسلیم خم کرنے کا عملی اعتراف اور محسوس مظاہرہ ہے۔ خدا کے سامنے سر جھکا دینے (سجدہ ریز ہو جانے) سے انسان اس امر کا اقرار (یا اظہار) کرتا ہے کہ وہ اپنے ہر ارادے، فیصلے اور عمل میں اس کے احکام کی اطاعت کرے گا۔ جس کا دل، جذبات فرماں پذیری اور اطاعت گزاری سے لبریز ہو، اس کا سر خود بخود خدا کے حضور جھک جائے گا اور جو خدا کے حضور سر جھکانے میں عار یا سبکی محسوس کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کیا کرے گا؟ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ جو شخص زندگی کے مختلف شعبوں میں قوانین خداوندی سے سرکشی برتتا ہے، اس کا نماز میں رسمی طور پر سر جھکا دینا، مقصد صلوٰۃ کو پورا نہیں کر سکتا۔

> قرآن کریم عمل کی روح اور حقیقت پر نگاہ رکھتا ہے اور محض (Formalism) کو کوئی وزن نہیں دیتا، لیکن جہاں کسی جذبہ کی روح اور حقیقت کے اظہار کے لئے (Form) کی ضرورت ہو، اس سے روکتا بھی نہیں۔ بشرطیکہ اس (Form) ہی کو مقصود بالذات نہ سمجھ لیا جائے۔

(2) نماز فارسی (بلکہ پہلوی) زبان کا لفظ ہے جو اہل ایران کے قدیم طریق پرستش کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں یہ لفظ، اجتماعاتِ صلوٰۃ کے لئے استعمال کر لیا گیا اور اب ہمارے ہاں یہی لفظ مروج ہے (میں سمجھتا ہوں کہ جو اصطلاحات قرآن کریم نے مقرر کی ہیں انہیں اسی طرح استعمال کرنا زیادہ اچھا ہے) قرآن کریم میں صلوٰۃ کا لفظ

آیا ہے جو معنوی اعتبار سے بڑا وسیع اور جامع ہے۔ اس کے بنیادی معنی کسی کا اتباع یا اطاعت ومحکومیت اختیار کرنا ہیں۔ قرآن کریم نے اس لفظ کو نماز کے اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ لہٰذا جب ہم نماز کا لفظ بولیں گے تو اس کا مطلب صرف نماز ہوگا۔ لیکن جب صلوٰۃ کا لفظ استعمال کریں گے تو اس میں نماز بھی آ جائے گی اور اس کے علاوہ اور مفہوم بھی۔ میں نے اکثر مقامات پر اس کی صراحت کر دی ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ نماز کے اجتماعات کے لئے بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ مثلاً لغات القرآن میں لفظ صلوٰۃ (مادہ ص۔ل۔و (ی) کے تحت آپ کو یہ عبارت ملے گی۔

صلوٰۃ کے جو مختلف مفاہیم اوپر بیان ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ایک عبد مومن زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانین خداوندی کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے وہ فریضۂ صلوٰۃ ہی کو ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لئے وقت، مقام یا شکل کا تعین ضروری نہیں۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلوٰۃ کا لفظ ایک خاص قسم کے عمل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

> جب ان جذبات کا اظہار اجتماعی شکل میں ہوگا تو اظہار جذبات کی محسوس حرکات میں ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے، ورنہ اجتماع میں انتشار ابھرتا دکھائی دے گا۔ احترام وعظمت، انقیاد و اطاعت اور فرماں پذیری وخود سپردگی کے والہانہ جذبات کے اظہار میں نظم وضبط کا ملحوظ رکھنا بجائے خویش بہت بڑی تربیت نفس ہے

اس کے بعد قرآن کریم کی وہ آیات دی گئی ہیں جن میں صلوٰۃ کا لفظ نماز کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں صلوٰۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے۔ (نماز کا لفظ عربی زبان کا نہیں۔ پہلوی زبان کا ہے)۔

اس کے بعد ارکان صلوٰۃ کی اہمیت کے سلسلے میں لکھا ہے۔

انسان اپنے جذبات کا اظہار جسم کے اعضا کی محسوس حرکات سے بھی کرتا ہے اور یہ چیز اس میں ایسی راسخ ہو چکی ہے کہ اس سے یہ حرکات خود بخود سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ غم وغصہ، خوشی، تعجب، عزم وارادہ، ہاں اور نہ وغیرہ قسم کے جذبات اور فیصلوں کا اظہار، انسان کی طبیعی حرکات سے بلا ساختہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی کیفیت جذبات عزت واحترام اور اطاعت وانقیاد کے اظہار کی ہے۔ تعظیم کے لئے انسان کا سر بلا اختیار نیچے جھک جاتا ہے۔ اطاعت کے لئے ''سر تسلیم خم'' ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم عمل کی روح اور حقیقت پر نگاہ رکھتا ہے اور محض (Formalism) کو کوئی وزن نہیں دیتا، لیکن جہاں کسی جذبہ کی روح اور حقیقت کے اظہار کے لئے (Form) کی ضرورت ہو، اس سے روکتا بھی نہیں۔ بشرطیکہ اس (Form) ہی کو مقصود بالذات نہ سمجھ لیا جائے۔ صلوٰۃ کے سلسلہ میں قیام وسجدہ وغیرہ کی جو عملی شکل ہمارے سامنے آتی ہے وہ اسی مقصد کے لئے ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ان جذبات کا اظہار اجتماعی شکل میں ہوگا تو اظہار جذبات کی محسوس حرکات میں ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری

ہوتا ہے، ورنہ اجتماع میں انتشار ابھرتا دکھائی دے گا۔ احترام و عظمت، انقیاد و اطاعت اور فرماں پذیری و خود سپردگی کے والہانہ جذبات کے اظہار میں نظم و ضبط کا ملحوظ رکھنا بجائے خویش بہت بڑی تربیت نفس ہے۔

مفہوم القرآن میں قرآنی اصطلاحات کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔

قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح ''اقامت صلوٰۃ'' ہے جس کے عام معانی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کے ہیں۔ اس لئے صلوٰۃ میں، قوانین خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنابریں اقامت صلوٰۃ سے مفہوم ہوگا ایسے نظام یا معاشرہ کا قیام جس میں قوانین خداوندی کا اتباع کیا جائے۔ یہ اس اصطلاح کا وسیع اور جامع مفہوم ہے۔ نماز کے اجتماعات میں قوانین خداوندی کے اتباع کا تصور، محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو ان اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ قرآنی آیات پر تھوڑا سا تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس مقام پر اقامت صلوٰۃ سے مراد اجتماعات نماز ہیں اور کس مقام پر قرآنی نظام یا معاشرہ کا قیام۔ مفہوم القرآن میں یہ معانی اپنے اپنے مقام پر واضح کر دیئے گئے ہیں۔

امت کے مختلف فرقے جس جس طریق سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ان میں کسی قسم کے ردو بدل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے میں فرقہ اہل قرآن سے بھی اختلاف رکھتا ہوں جنہوں نے اپنے لئے الگ نماز تجویز کر رکھی ہے

ان تصریحات سے واضح ہے کہ میں نے صلوٰۃ کے معنی نماز اور اقامت صلوٰۃ کے معنی اجتماعات صلوٰۃ کا قیام واضح الفاظ میں دیئے ہیں اور اس سے مراد وہی نماز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں۔

(3) ایک مقام پر نہیں، متعدد مقامات پر اور ایک مرتبہ نہیں، متعدد بار اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ امت کے مختلف فرقے جس جس طریق سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ان میں کسی قسم کے ردو بدل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے میں فرقہ اہل قرآن سے بھی اختلاف رکھتا ہوں جنہوں نے اپنے لئے الگ نماز تجویز کر رکھی ہے۔ البتہ میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں میں پھر سے خلافت علیٰ منہاج نبوت کا قیام ہو جائے اور وہ تمام امت کے لئے نماز کی ایک ہی شکل تجویز کر دے تو یہ امت میں وحدت پیدا کرنے کے لئے بڑا موثر اقدام ہوگا۔ یہ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ عہد رسالت مآب اور خلافت راشدہ میں، امت ایک ہی طریق پر نماز ادا کرتی ہوگی۔ اس وقت امت میں وحدت تھی۔ اس لئے جب ہم پھر سے اسی عہد سعادت مہد کی طرف رخ کریں گے تو امت میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش بھی ضرور کرنی ہوگی اور نماز اس کا بہت بڑا ذریعہ ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اب امت میں وحدت پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں، تو میں اس سے بحث نہیں کرتا۔

(''طلوع اسلام''، نومبر و دسمبر 1961ء، ص 12)

میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکین بزم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے اس کی بناء پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ''طلوع اسلام'' نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟ آپ نے غیر قرآنی روش زندگی کو تو نہ چھوڑا اور اس کے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوع اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عائد کر دیا۔ ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت' کاروبار' شادی' رشتے ناطے سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ (بعض گوشوں سے آوازیں آئیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے جو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستگی ظاہر کر کے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ محترم پرویز صاحب نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا) ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں سے ہی کر سکتے ہیں لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہوگی؟ خدارا اپنے قول و عمل کو بصیرت' علم اور خلوص پر مبنی رکھئے۔ ''مقدس بہانے'' تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔

آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت' کاروبار' شادی' رشتے ناطے سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟

(منزل بہ منزل از پرویز' ص 36-35)

غلط فہمی کا ازالہ

ہماری ہر محفل میں الصلوٰۃ کا بحیثیت نظام جس طرح بار بار ذکر آتا ہے اس سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے کہ ہم نماز کے اجتماعات کی اہمیت کے قائل نہیں۔..... صلوٰۃ کا وقتی اجتماع بھی قرآن ہی کا ارشاد ہے اور یہ الصلوٰۃ کے عالم آرا نظام ہی کی سمٹی ہوئی تصویر ہے۔ جو شخص نماز کی اہمیت کو کم کرتا ہے وہ طلوع اسلام کے خلاف فتنہ و شرارت کا محرک ہے اور ایسی مذموم حرکت کسی طرف سے نہ تو دانستہ ہونی چاہئے اور نہ نادانستہ۔

(ماہنامہ طلوع اسلام' مئی 1959ء ص:14)

☆.....☆.....☆

صلوٰۃ مؤقت اور پرویز علیہ الرحمۃ

غلام احمد پرویزؒ اپنی تصنیف شاہکارِ رسالت میں صفحہ 55 اور 56 پر لکھتے ہیں:

(1) میرا تعلق کسی فرقے سے نہیں، اس لئے میں نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے نہ کسی فرقہ کی جانبداری مقصود ہے نہ کسی کی مخالفت۔

(2) میرے نزدیک دین میں سند اور حجت، خدا کی کتاب (قرآنِ مجید) ہے۔ جو کچھ اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے میں اسے قرآنی معیار پر پرکھتا ہوں۔ جسے، اپنی بصیرت کے مطابق، قرآن کے مطابق پاتا ہوں اسے صحیح قرار دیتا ہوں جو اس کے خلاف نظر آئے، اسے غلط سمجھتا ہوں۔ مجھے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں، لیکن اگر کوئی اس بات سے ناراض ہوتا ہے کہ اس کے کسی ایسے عقیدہ یا نظریہ کو، جسے میں قرآن کے خلاف پاتا ہوں، غلط کیوں ٹھہرایا جاتا ہے، تو اس کے لئے میں معذور ہوں۔۔۔قرآن کی رو سے کتمانِ حقیقت جرمِ عظیم ہے اور منافقت، انتہائی دنائت۔

> ہماری ہر محفل میں الصلوٰۃ کا بحیثیت نظام جس طرح بار بار ذکر آتا ہے اس سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے کہ ہم نماز کے اجتماعات کی اہمیت کے قائل نہیں۔.....صلوٰۃ کا وقتی اجتماع بھی قرآن ہی کا ارشاد ہے اور یہ الصلوٰۃ کے عالم آرا نظام ہی کی سمٹی ہوئی تصویر ہے

(3) ہر فرقہ اپنے نظریات و معتقدات کو اپنے بزرگوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ان میں سے جس نظریہ یا عقیدہ کو میں، قرآن کے خلاف پاتا ہوں، اس کے متعلق، بنا بر احتیاط و احترام، یہ سمجھتا اور کہتا ہوں کہ ان بزرگوں کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ وہ کوئی ایسا نظریہ یا عقیدہ پیش نہیں کر سکتے تھے، جو قرآن کے خلاف ہو لیکن اگر ان کے متبعین اس پر اصرار کریں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے، انہوں نے ایسا ہی کہا یا کیا تھا، تو میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ ایسا کہنا آپ کو مبارک۔ میں ان کے متعلق سوءِ ظن سے کام نہیں لینا چاہتا، میں ان کا احترام کرتا ہوں۔

(4) اور آخری بات یہ کہ (جیسا کہ میں اپنی ہر تصنیف میں اس کا اعتراف اور اعلان کیا کرتا ہوں کہ میں نہ اپنی بصیرت کو سہو و خطا سے منزّہ سمجھتا ہوں، نہ اپنے فہمِ قرآن کو حرفِ آخر۔ میں قرآنِ مجید کا ایک ادنیٰ طالب العلم ہوں۔ اس سے زیادہ، نہ میرا کوئی دعویٰ ہے نہ مقام۔ واللہ علیٰ ما نقول شھید۔

علامہ پرویز صلوٰۃِ مؤقت کے قائل تھے جس کا ثبوت ان کی اپنی تصانیف ہیں۔ مثلاً اپنی تصنیف لغات القرآن کے صفحات 1039 تا 1041 پر لکھتے ہیں:

(الف) قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلوٰۃ کا لفظ ایک خاص قسم کے عمل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ (5:6)۔ ''اے ایمان والو! جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔'' اس کے بعد ہے کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تیمم کرلیا کرو۔

(ب) سورۃ نساء میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ... (4:43)۔ ''اے ایمان والو! تم صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ درآنحالیکہ تم حالت سکر (نشہ یا نیند) میں ہو۔ تا آنکہ تم جو کچھ منہ سے کہو اسے سمجھو (کہ کیا کہہ رہے ہو)۔ اس کے بعد پھر تیمم کا ذکر ہے۔ (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں مساجد میں جانے کا ذکر ہے۔ لیکن یہ بحث الگ ہے)۔

(ج) نبی اکرم ﷺ سے ارشاد ہے کہ: وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ (4:102)۔ ''اور جب تو ان کے درمیان ہو۔ پھر ان کے لئے قیام صلوٰۃ کرے۔ تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تیرے ساتھ کھڑا ہو اور چاہئے کہ وہ اپنے ہتھیار لے لیں۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں او چاہئے کہ دوسرا گروہ جنہوں نے صلوٰۃ ادا نہیں کی وہ تیرے ساتھ صلوٰۃ ادا کریں اور وہ اپنے بچاؤ (کا سامان) اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔'' اس کے بعد ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ ... (4:103)۔ ''پھر جب تم صلوٰۃ ادا کر چکو تو کھڑے، بیٹھے لیٹے جس طرح جی چاہے اللہ کا ذکر کرو۔ پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو قیام صلوٰۃ کرو۔''

اس سے پہلی آیت یہ ہے: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ ... (4:101)۔ ''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں تمہارے لئے حرج کی بات نہیں کہ تم صلوٰۃ کو کم کرلو اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار (مخالفین) تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔'' اس ضمن میں (2:239) بھی دیکھئے۔

(د) سورۃ مائدہ میں ہے: وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا... (5:58)۔ ''اور جب تم صلوٰۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو (مخالفین) اسے ہنسی اور مذاق (کھیل) بنا لیتے ہیں۔'' سورۃ الجمعۃ میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (62:9-10)۔ ''جب جمعہ کے دن (یا اجتماع کے وقت) صلوٰۃ کے لئے بلایا جائے تو ''اللہ کے ذکر'' کی طرف جلدی آجایا کرو اور کاروبار کو چھوڑ دیا کرو۔ اگر تمہیں (اس کی اہمیت کا) علم ہو (تو تم اس حقیقت کو محسوس کرلو گے کہ) یہ تمہارے لئے

(کس قدر) بہتر ہے۔ پھر جب صلوٰۃ ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ اور ''اللہ کا بہت ذکر کرو''۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ''..... اس کے بعد ہے کہ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں جب کاروبار یا کھیل تماشا نظر آ جاتا ہے تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ ان سے کہو کہ جو کچھ اللہ کے ہاں سے تمہیں مل سکتا ہے وہ کھیل اور کاروبار سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے (62:11)۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں صلوٰۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے۔

یہ امر نہایت حیران کن اور فکر انگیز ہے کہ ان تمام تصریحات اور وضاحتوں کے باوجود اور اس کے باوجود کہ ادارہ طلوع اسلام کے ریکارڈ میں پرویز صاحب کی نماز ادا کرتے ہوئے ویڈیو فلم موجود ہے اور بہت سے ایسے عینی شاہد حیات ہیں جو ان کے ساتھ نمازیں ادا کرتے رہے ہیں، بعض لوگ یہ پراپیگنڈہ کر کے کہ وہ نماز کے قائل نہیں تھے، پرویز صاحب اور فکرِ پرویز سے، دانستہ یا نادانستہ، دنیا کے مسلمانوں کو متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ پراپیگنڈہ بہت مذموم اور شر انگیز ہے۔ اس سے احتراز کرنا اشد ضروری ہے۔

جیسا کہ پرویز صاحب نے اوپر صراحتاً بیان فرمایا ہے، قرآن کریم کی ایک اصطلاح ''اقامتِ صلوٰۃ'' ہے جس کے عام معنی نماز قائم کرنا، یا نماز پڑھنا کے ہیں۔ اس لئے صلوٰۃ میں قوانین خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنابریں اقامتِ صلوٰۃ سے مفہوم ہوگا ایسے نظام یا معاشرہ کا قیام جس میں قوانینِ خداوندی کا اتباع کیا جائے۔ یہ اس اصطلاح کا وسیع اور جامع مفہوم ہے۔ نماز کے اجتماعات میں قوانینِ خداوندی کا تصور، محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آ جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو ان اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ قرآنی آیات پر تھوڑا سا تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس مقام پر اقامتِ صلوٰۃ سے مراد اجتماعاتِ نماز ہیں اور کس مقام پر قرآنی نظام یا معاشرہ کا قیام۔

یہ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ اور خلافتِ راشدہ میں امت ایک ہی طریق پر نماز ادا کرتی ہوگی۔ اس وقت امت میں وحدت تھی اس لئے جب ہم پھر سے اسی عہد سعادت مہد کی طرف رخ کریں گے تو امت میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش ضرور کرنی ہوگی اور نماز اس کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ لہٰذا نماز کو بلا جواز اور بلا وجہ اختلافی مسئلہ بنا کر، مسلمانوں کے اندر انتشار برپا کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے مندرجہ ذیل اشعار کو امت کی راہنمائی، اتحاد و اتفاق اور وحدت اور حیاتِ نو کے لئے ذریعہ بنانا چاہئے:

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز — قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

پمفلٹس --- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے

فی پمفلٹ قیمت 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلام آگے کیوں نہ چلا	قرآن مجید کے خلاف گہری سازش	دوقومی نظریہ
اسلام کیا ہے؟	قربانی	عورت قرآن کے آئینے میں
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	قیامت موجود	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
اسلام اور مذہبی رواداری	قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر	تحقیق ربوٰ (مسئلہ سود)
اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ (مغربی پاکستان ہائیکورٹ کا فیصلہ)	ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
اسلامی آئیڈیالوجی	ہندو کیا ہے؟	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (20 روپے علاوہ ڈاک خرچ)	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (قرآنی اصطلاحات کی تشریح)	تکذیب دین کون کرتا ہے اور مصلّی کسے کہتے ہیں
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں	ہماری تاریخ میں کیا ہے؟	روٹی کا مسئلہ
اسلامی قانون سازی کا فریضہ (بال سے باریک تلوار سے تیز)	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟	جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
انسانیت کا آخری سہارا	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	نماز کی اہمیت
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری	مقام اقبالؒ	ضبطِ ولادت (خاندانی منصوبہ بندی)
اقبال کا مردِ مومن	مقام محمدی ﷺ	علماء کون ہیں؟
اندھے کی لکڑی	مرزائیت اور طلوع اسلام	فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
آرٹ اور اسلام	ماؤزے تنگ اور قرآن	کافرگری
قرآن کا معاشی نظام	مومن کی زندگی	حرام کی کمائی
قرآن کا سیاسی نظام	جہاں مارکس ناکام رہ گیا	عالمگیر افسانے

خورشید انور چیئرمین ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(قرآن کنونشن فیصل آباد میں دیا گیا صدارتی خطبہ)

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ (5:3)

عزیزانِ محترم:

سورہ المائدہ کی تیسری آیت کا کچھ حصہ میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین (یعنی نظامِ حیات) تجویز کر دیا۔

چونکہ آپ لوگ کافی دیر سے بیٹھے تھک چکے ہیں اس لئے میں کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کروں گا بلکہ ایک عام فہم زبان میں صرف ایک نکتے پر قرآن کے ناقابلِ تردید دلائل پیش کروں گا اور وہ نکتہ یہ ہے کہ قرآن کی رُو سے دین کیا ہے اور دورِ حاضر کے مسلمانوں نے اس کو کیا سمجھا ہوا ہے نیز دین کے عملی نفاذ کے نتیجے میں کیا خوشگواریاں ملتی ہیں اور قرآن کے احکام سے منہ موڑ کر کیا محرومیاں اور تباہیاں آتی ہیں۔

> قرآن نے فرقہ پرستی کو شرک اس لئے قرار دیا ہے کہ ہر فرقہ اللہ کے احکام کے ساتھ انسانوں کے احکام کو بھی شریک کر کے حرفِ آخر مانتا ہے۔ جبکہ دین خالصتاً اللہ کے احکام کو عملی طور پر ایک ریاست میں نافذ کرنے کا نام ہے۔

عزیزانِ محترم! اس وقت مسلمانوں میں دین کی حیثیت کے بارے میں تین قسم کی سوچ پائی جاتی ہے پہلی سوچ یہ کہ یہ دنیا کوئی حقیقی حیثیت نہیں رکھتی یہ محض سراب، دھوکہ اور ایک قید خانہ ہے جہاں انسان کی روح مادی جسم میں قید ہے اور موت کے ساتھ انسان کو اس قید سے آزادی ملتی ہے۔ لہٰذا اس دنیا کے معاملات میں الجھنا ہی فضول ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ ذکرِ الٰہی کے ذریعے اللہ کی قربت حاصل کر کے اپنا تزکیۂ نفس کرے اور آخرت کی فلاح پائے۔

دوسری سوچ یہ کہ دین انسان اور اللہ کے درمیان ایک پرائیویٹ معاملہ ہے جو صرف مخصوص عقائد اور مذہبی رسومات تک محدود ہے اس کا مقصد انسان کی انفرادی اصلاح ہے، اجتماعی نظام یا ریاست کے معاملات کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے معاملات میں انفرادی طور پر دینی اخلاقیات کا پابند رہے اور اس دنیا میں ایک سرائے کی طرح سفر کا وقت گزارے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی رہے اور موت کے بعد جنت ملے۔

تیسری قسم کی سوچ یہ ہے کہ اسلام دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا ذریعہ ہے، دین کے نام پر ریاست کے معاملات بھی چلانے ہیں اور دین کے احکام کو زبردستی نافذ کرنا ہے لیکن دین صرف قرآن کے احکامات کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ احادیث منسوب الی الرسول، مسلمانوں کی تمام مصدقہ اور غیر مصدقہ تاریخی روایات اور مسلمانوں کی تاریخ کی بڑی شخصیات کے فقہی احکام اور فتاویٰ وغیرہ کا ماننا بھی لازم ہے۔ ان سارے قانونی مآخذ کی پابندی لازمی ہے اور ان کی دینی حیثیت پر سوال اٹھانے والا، ان کا انکار کرنے والا یا ان پر عمل نہ کرنے والا مرتد ہوگا اور مرتد واجب القتل ہے۔

> جن لوگوں کو اس کا احساس ہے کہ ہمارے ہر عمل کے متعلق ہم سے باز پرس ہوگی.... انسان کا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہے گا.... (اور یوں وہ خطرناک گھاٹیوں سے بچتے ہوئے زندگی بسر کریں گے) انکے لئے دو جنتیں ہوں گی.... ایک جنت اِس دنیا میں' اور دوسری جنت' آخرت میں۔

یہ تینوں قسم کی سوچ انسانی ذہن کی اختراعات ہیں کیونکہ قرآن کا دین تو ایک ہی ہے اس میں تو مکتبہ ہائے فکر، اور اجتہادی اختلاف کی بنیاد پر گروہ بندی اور فرقہ پرستی کی گنجائش ہی نہیں بلکہ فرقہ پرستی کو دوٹوک انداز میں شرک قرار دیا گیا ہے۔ سورہ الروم کی آیات 31 اور 32 میں ارشاد ہے۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ (30:31-32)

مفہوم: یہ نظام کیا ہے؟ یہ کہ سفرِ زندگی میں تمہارا ہر قدم اُس منزل کی طرف اُٹھے جو خدا نے تمہارے لئے، تجویز کی ہے۔ تم اس کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ اس کے لئے نظامِ صلوٰۃ قائم کرو جس میں ہر فرد بطیبِ خاطر قوانینِ خداوندی کا اتباع کئے چلا جاتا ہے۔ اس اتباع اور اطاعت میں کسی اور کے قانون اور فیصلے کو شریک نہ کرو۔ اس سے' پہلے خود تمہارے اندر وحدتِ فکر و عمل پیدا ہو جائے گی' اور اس کے بعد' پوری نوعِ انسانی' اپنے اختلافات کو چھوڑ کر اُمتِ واحدہ بن جائے گی۔ یہی دین کا مقصود ہے۔ لہٰذا' تم بڑی احتیاط برتنا کہ اس طرح توحید کے پیرو بن کر' پھر سے مشرک نہ بن جاؤ۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' اور اس طرح اُمت واحدہ رہنے کی بجائے' مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ جس طریقے پر ہم چل رہے ہیں' وہی حق وصداقت کی راہ ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ میں مگن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یاد رکھو۔ فرقہ پرستی اور گروہ بندی شرک ہے۔ تم اس شرک کے مرتکب نہ ہو جانا۔

قرآن نے فرقہ پرستی کو شرک اس لئے قرار دیا ہے کہ ہر فرقہ اللہ کے احکام کے ساتھ انسانوں کے احکام کو بھی شریک کر کے حرفِ آخر مانتا ہے۔ جبکہ دین خالصتاً اللہ کے احکام کو عملی طور پر ایک ریاست میں نافذ کرنے کا نام ہے۔

سب سے پہلے تو میں اور آپ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کے رُو سے دین اور دنیا، دین اور سیاست اور دنیا اور

آخرت کی تفریق اور ثنویت نہیں۔ موت کے ساتھ زندگی ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اگلی منزل کی طرف بڑھتی ہے جسے اقبال نے چند لفظوں میں ایک جامع انداز میں بیان کیا ہے۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

قرآن حکیم کے رو سے اعمال کے نتائج کا ظہور اس زندگی میں شروع ہوتا ہے اور اور قرآن کے احکام کی عملی پیروی سے جو خوشگواریاں (جنت) ملتی ہیں ان کی ابتداء اس زندگی سے ہوتی ہے اور اگلی زندگی میں بھی جاری رہتی ہیں۔ لہٰذا یہ عقیدہ کہ دنیا کی زندگی میں مسلمانوں کی تنگدستی اور تکلیف منشائے خداوندی ہے، سراسر غیر قرآنی تصور ہے۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات اس حقیقت کی وضاحت کے لئے کافی ہیں۔

(1) وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (55:46)

جن لوگوں کو اس کا احساس ہے کہ ہمارے ہر عمل کے متعلق ہم سے باز پرس ہوگی.... انسان کا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہے گا.... (اور یوں وہ خطرناک گھاٹیوں سے بچتے ہوئے زندگی بسر کریں گے) انکے لئے دو جنتیں ہوں گی.... ایک جنت اِس دنیا میں، اور دوسری جنت، آخرت میں۔

(2) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (2:201)

دوسرے لوگ وہ ہیں جن کی طلب و آرزو یہ ہوتی ہے کہ اُنہیں دُنیاوی زندگی کی خوشگواریاں بھی حاصل ہوں اور اُخروی زندگی کی خوشگواریاں بھی۔ اور وہ ہر قسم کی تباہیوں سے محفوظ رہیں۔ اس طرح قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس دنیا کی زندگی میں تنگدستیاں اور محرومیاں برداشت کرنے کے بعد اگلے جہاں میں جنت اس کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ اعمال کے نتائج کا ظہور اس دنیا سے شروع ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے بقول شاعر ؎

عدل و انصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(3) وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (17:72)

مفہوم: اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ انسانی اعمال کے نتائج صرف اگلی زندگی میں ہی سامنے آتے ہیں۔ نہیں۔ اعمال کے نتائج اسی زندگی میں بھی سامنے آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ حسن عمل کا نتیجہ، اِس دُنیا کی خوشگواریاں بھی ہیں۔ یہی وہ محسوس معیار ہے جس سے دیکھا جاسکتا ہے کہ کسی قوم کے اعمال، قوانینِ خداوندی کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر اُسے عزت اور عروج حاصل ہے تو اُس کے اعمال اُن قوانین کے مطابق ہیں اگر وہ ذلت وخواری کی زندگی بسر کر رہی ہے، تو وہ ان کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ یہ اصول یاد رکھو کہ جو کوئی اِس دنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا، اور راستہ سے یک قلم بھٹکا ہوا۔ (اس لئے کہ زندگی تو ایک جوئے رواں ہے)۔ اقبال نے اس قرانی حقیقت کو بہت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے:

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

قرآن کے رُو سے معاشی تنگدستی اللہ کے احکام سے روگردانی اور قرآنی احکام کو عملی زندگی میں نافذ نہ کرنے کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ سورۃ طٰہٰ آیت 124 میں واضح طور پر ارشاد ہے:

(4) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (20:124)

مفہوم: اس کے ساتھ ہی' انسان پر اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ جو کوئی میرے قوانین سے اعراض برتے گا تو اس کی معیشت (روزی) تنگ ہو جائے گی۔ اور ہم اسے ظہورِ نتائج (قیامت) کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ (زندگی کی روشن راہیں اس کے سامنے تاریک ہوں گی)۔ (اس کی غلط روش کا یہ انجام، اس دنیا میں بھی ہوگا، اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی)۔

اس کے برعکس جو قوم قرآن کو عملی زندگی میں صدق دل سے نافذ کرے گی اس کا۔ لازمی۔ نتیجہ کامیابیاں، کامرانیاں اور اس دنیا میں عزت، وقار اور غلبہ کی زندگی ہوگی۔

(5) وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3:139)

جب تم مومن ہو تو غمگینی اور افسردگی کے کیا معنی؟ جب تک تم اس رَوش پر قائم رہو گے' تم پر کوئی غالب نہیں آ سکے گا۔

اقبال بھی قرآن کی پیروی میں یہی کہتا ہے کہ:

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

ہمیں اللہ نے قرآن کی روشنی عطا کی ہے یہ ہر دور میں انسان کی حقیقی فلاح کا واحد ذریعہ ہے اور یہ کتاب ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جس پر تمام انسانیت کا یکساں حق ہے کیونکہ یہ ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' ہے لہٰذا ہمیں اس خزانے پر سانپ بن کر بیٹھنا نہیں چاہئے بلکہ اس کی حقیقی تعلیمات کو محروم اور پسے ہوئے طبقات کو پہنچانا چاہئے کہ تنگدستی اور محرومی اللہ کی دی ہوئی تقدیر اور جنت کی ضمانت نہیں بلکہ اللہ کا عذاب ہے اور اس عذاب سے نجات کا واحد راستہ قرآن کے احکام پر مبنی معاشرے اور مملکت کا قیام ہے۔ یہاں آنے اور یہ باتیں سننے اور بار بار دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں تاوقتیکہ ہم اپنی زندگی کو خود بدلنے کا عزم نہ کر لیں۔ یہاں سے ایک عہد کر کے یہ پیغام اپنے ساتھ لے کر جائیں کہ قرآن کے تعلیمات کو خود بھی سمجھنا ہے اپنے آس پاس اور حلقے میں اس کو پھیلانا ہے اور عملی طور اس کے نفاذ کے لئے ایک نئے جذبے کے ساتھ میدان عمل میں اترنا ہے۔ پھر دیکھتے ہیں زندگی کے اندھیرے اور مایوسی کے بادل کس طرح اپنی راہ لیتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

آپ کی تشریف آوری، قیمتی وقت اور توجہ کا بہت بہت شکریہ

والسلام

ڈاکٹر اعجاز رسول، گلاسگو، یوکے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ یوسف پر ایک نظر

ایمان اور اعمالِ صالح کی روشنی میں

سورۃ یوسف ہمیں ایک منفرد ماڈل کی طرف لے جاتی ہے۔ جس میں قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جو اصول سورۃ نور کی آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ انفرادی طور پر بھی اپنے اثرات مرتب کرسکتا ہے۔ سورۃ نور کا حوالہ ہے (24:55)۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان مومنین کے ساتھ جو ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالح کر کے اکھٹے کوشش کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں انہیں زمین میں دین کو قائم کرنے کے لئے اقتدار مل جاتا ہے۔ اس میں درج ذیل نقاط اہم ہیں:

(1) ایمان کا اعمالِ صالح ایک نتیجہ ہے۔ ان کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایمان ہے اور اعمالِ صالح نہیں ہیں تو اس سے ہماری ذات وہ نہیں بن سکتی جس کو اللہ کی مدد مل سکتی ہے۔ صالح اعمال وہی ہیں جو کہ قرآن کے ایمان لانے کے بعد سوچ سمجھ کر اس مقصد کے لئے کئے جاتے ہیں تاکہ دین آسکے۔

(2) جماعت مومنین وجود میں آ ہی نہیں سکتی اگر اُس کے افراد قرآن کے مومن نہیں ہیں یعنی وہ ایمان لاکر اور اعمالِ صالح کر کے مکمل طور پر وہ مومنین نہیں بنتے جو کہ قرآن کے معیار پر پورا اتر سکیں۔ یہ بات ہمیں ذہن میں رکھنی ہے کیونکہ اس معیار پر ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کو پرکھیں گے۔ ہر انسانی عمل ایمان کی قوت کی بنا پر اپنا اثر پیدا کرتا ہے۔ کوئی اچھا عمل بغیر قرآنی ایمان کے وہ اثر پیدا نہیں کرسکتا جو کہ ایمان لانے کے بعد کرے گا۔ وہ عمل اُسی وقت صالح کہلائے گا جب وہ ایمان کے بعد ہوگا۔

> جماعت مومنین کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا ہر فرد حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح اعلیٰ کردار کا مالک ہو اور یہ کردار پیہم کوشش اور علم حاصل کرنے سے ملتا ہے یعنی وحی کی روشنی میں۔

(3) اس دنیا میں قرآن نے صاف طور کہہ دیا ہے کہ صرف اور صرف مومنین ہی اللہ کی اپنے اوپر لی ہوئی ذمہ داریوں کو پورا کرسکتے ہیں۔ پورے قرآن میں کہیں بھی اللہ نے حزب الشیطان کو نہیں کہا کہ دوسرے انسانوں کی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ یہ ایک اہم نقطہ ہے جس کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ حزب اللہ بنائی جاتی ہے خود

بخود نہیں بن جاتی۔ حزب الشیطان کے لئے ہمیں زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اگر ہم حزب اللہ نہیں ہوتے تو پھر ہم حزب الشیطان میں ہوتے ہیں یعنی اپنی خواہشات کے غلام۔ وہ خواہشات جو وحیٔ کی روشنی کے بغیر کام کرتی ہیں۔

(4) اس آیت (24:55) میں یہ بھی کہا ہے کہ دین کے نظام سے خوف امن میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ آیت (2:38) میں قرآن نے کہا ہے کہ اگر دین کا نظام نہیں ہوگا تو انسانی دنیا میں خوف اور حیران ہوگا۔ یہ ہماری دنیا کی اس وقت حالت ہے اور یہ ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور مشاہدہ کر رہے ہیں ان نقاط کے بعد ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ایمان پر کیوں اتنا زور دیا ہے اور ایمان سے کیا مراد ہے۔

آیت (2:177) میں قرآن نے کہا ہے کہ ''بر'' یہ نہیں ہے کہ آپ اپنا چہرہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ بر یہ ہے کہ ایمان لایا جائے اللہ پر، آخرت پر ملائکہ پر وحی کی کتب اور انبیاء پر۔

اس کے بعد ہے کہ اگر یہ ایمان ہم لے آئے ہیں تو پھر یہ کرنا ہے یعنی مال کی محبت کے باوجود دوسروں کے لئے اس کو استعمال کرنا۔۔۔ یہاں ایک اہم لفظ ہے جس کی طرف قرآن ہماری توجہ دلا رہا ہے کہ یہ سب کچھ میکانکی طور پر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں لفظ 'بر' ہے جس کا مطلب ذہنی کشادگی بھی ہے۔ دین کے نظام کے لئے انسانی ذات کو اس ذہنی وسعت کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر دین کا نظام سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ عام انسان بغیر وحی کی ہدایت کے صرف اپنا فائدہ ہی دیکھتے ہیں بلکہ دین کا نقطۂ ماسکہ پوری انسانیت کی بھلائی ہوتا ہے۔ یعنی جس انسان کو دنیا میں یتیم اور مسکین نظر نہیں آتے اُس کو قرآن کا ایمان کبھی بھی نصیب نہیں ہوسکتا (سورۃ الماعون) ابھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان کو دل اور دماغ کی گہرائی میں اُتارنے سے کیا مراد ہے۔ قرآن میں ایمان کی تعریف ایک عقیدہ نہیں ہے بلکہ مکمل عمل ہے جس سے ہم اپنے دماغ اور دل کو مکمل طور پر تیار کرتے ہیں کہ اس ایمان سے میں وہ کام کرنے کے قابل ہوجاؤں گا جو کہ اللہ نے اپنی ذمہ داری قرار دیے ہیں۔ یہ ایمان ہماری ضرورت بن جائے گا اور ہمیں اس میں زیادہ فائدہ نظر آئے گا۔ انسان بغیر ضرورت اور فائدہ کے کسی کام کی طرف قدم نہیں اٹھاتا۔

> جب انسانی عقل وحی کی روشنی کے بغیر کام کرتی ہے تو وہ ہمارے اردگرد کی طرح کی دنیا بناتی ہے یعنی جس میں ہر طرف ظلم ہوتا ہے اور انسانی نظام یتیم اور مسکین بناتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خودکشی کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس کو دیکھنا ہوگا کہ کونسا زہر اُس نے استعمال کرنا ہے۔ پھر اُس نے اس کا یقین کرنا ہے کہ یہ زہر واقعی اس کو موت سے ہمکنار کردے گا۔ جب اس کو یقین ہوجائے گا کہ واقعی یہ زہر اس کو خودکشی میں مدد کرے گا اور ناکامی نہیں ہوگی تو یہ اس کا ایمان ذہنی سطح پر ہوگا۔ جو لوگ سوئٹزرلینڈ جا کر خودکشی کرواتے ہیں اُن کو ایمان ہوتا ہے کہ چونکہ وہ اس کے لئے رقم دیتے ہیں اس لئے یہ کام ہوجائے گا۔ جب ان کو یقین ہوجاتا ہے پھر اُنہوں نے جذباتی طور پر فیصلہ کرنا ہے کہ کس وقت وہ اپنی زندگی ختم کریں گے۔ اس طرح یہ ایمان دل کی سطح پر

اپنی تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ ابھی ہم اس کا قرآن کے ایمان کے ساتھ تقابل کرتے ہیں۔

انسانی زندگی میں ہم سب مختلف سوالات کے جواب ڈھونڈتے ہیں مثلاً ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ موت کیوں آتی ہے اور موت کے بعد کیا اور زندگی ہے اگر کسی مرحلہ پر ہم زندگی میں ہدایت کی راہ ڈھونڈنے میں سنجیدہ ہو جاتے ہیں تو قرآن نے کہا ہے کہ اس طرح کے لوگ پھر قرآن سے ہدایت پا لیتے ہیں چونکہ یہ ہدایت ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں اس لئے قرآن کی تعلیم ان کو اپیل کرتی ہیں۔ وہ چونکہ انسان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی دنیا سے مطمئن نہیں ہوتے اس لئے وہ اس بات کا حل ڈھونڈتے ہیں کہ کیا اس دنیا کو ہم کسی طرح سے بدل سکتے ہیں۔

> ہم سب کو چاہیے کہ اس پر مزید غور کریں کہ جب بھی دین کے نظام کے لئے ہمیں موقع ملے گا ہم اُس کو کس طرح سے منظم کریں گے۔ اس کے خدوخال ابھی سے ہمارے ذہنوں میں ہونے چاہئیں۔ یہ ایک مرحلہ وار کوشش ہوگی اور اس کے ہر مرحلہ کا نقشہ ہمارے ذہن میں ہونا چاہیے۔

یہاں پر وہ اپنی عقل سے قرآن کے حل پر گہرائی سے غور کرتے ہیں۔ اس غور کرنے سے اور تعلیم سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ جو حل قرآن میں دیا گیا ہے انسانی عقل کا پیدا کردہ نہیں ہوسکتا۔ اس حل کو قرآن کی اقدار کی روشنی میں اچھی طرح سمجھتے ہیں اور یہاں وہ اس ایمان پر عقل کے ذریعہ پہنچتے ہیں کہ یہی وہ حل ہے جو کہ انسانی نظام کے مسائل کو حل کرسکتا ہے لیکن یہ تو ایمان ہوگا عقل کی حد تک اگر ان سے سوال کیا جائے کہ قرآن نے کیا حل پیش کیا ہے تو وہ یہ جواب لکھ دیں گے یا اس پر تقریر بھی کر دیں گے۔ اس کے حق میں دلائل دیں گے۔ بحث میں حصہ لیں گے لیکن اس نقطہ تک ابھی وہ کچھ نہیں کریں گے۔ صرف ان کا کام باتوں کی حد تک ہوگا بالکل اُس شخص کی طرح جس نے ابھی خودکشی نہیں کی۔ صرف اس بات میں ایمان حاصل کرلیا ہے کہ یہ طریقہ کار خودکشی کے لئے بہترین ہے۔

اس طرح ایمان کو سمجھنے کے بعد ابھی اس کو دل کی گہرائی میں جگہ دینے کا عمل آتا ہے۔ اس کے لئے عملی قدم کی ضرورت ہوگی یعنی جو کچھ علم حاصل کیا ہے ابھی اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اور وہ صرف اُسی وقت ممکن ہے جب ہم اس پر یقین حاصل کر کے عملی قدم اُٹھاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہتے ہیں کہ اے اللہ تیری کتاب حق ہے اور میں نے اس کو پڑھ کر یقین کرلیا ہے۔ ابھی میں اس پر عمل کر کے ثابت کروں گا اپنے آپ کو کہ میرا ایمان کامل اور پختہ ہے۔ اس کو اعمالِ صالح کہا جائے گا یعنی وہ اعمال جن کے متعلق قرآن نے ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کروائی ہے۔ مثلاً کچھ اعمالِ صالح کا ذکر (2:177) اور (6:152-153) میں کیا گیا ہے۔

اس سے ہوگا کیا؟ ایمان اور اعمالِ صالح کا نتیجہ ایسے لگتا ہے کہ بہت سادہ ہے اور اس سے کس طرح اقتدار حاصل ہوسکتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب ہمیں انفرادی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی سے ملتا ہے اور اجتماعی طور پر نبی کریم ﷺ اور جماعت مومنین کے حالات سے ملتا ہے۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ چونکہ ہم میں سے اکثر انسان زندگی کو سنجیدگی سے نہیں لیتے اس لئے وہ اس کی آیات پر غور نہ کرنے سے اس کے حقائق کے متعلق علم حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ہمارے پاس علم نہیں ہے تو پھر ہم اپنی عقل اور فکر کس پر استعمال کریں گے؟ علم یہی وہ ذخیرہ ہے جو جتنا زیادہ ہوگا ہم اس میں سے زیادہ اپنے لئے استعمال کر کے قرآن کی روشنی میں ہر پہلو پر غور کر سکتے ہیں۔ یہی وہ راز ہے جس پر قرآن نے ہماری توجہ کو مرکوز کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ابھی ہم حضرت یوسف علیہ السلام کی حکایت کے اہم الفاظ پر غور کرتے ہیں۔

(1) حضرت یوسف علیہ السلام جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہاں وحی کی روشنی موجود تھی لیکن اُن کے بڑے بھائی اُس روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے تھے۔ اس لئے اُن کا ذاتی کردار ایک عام انسان کی طرح تھا جو بغیر وحی کی روشنی کے زندگی گزارتا ہے۔ ایسے کردار میں ہر قسم کی کمزوریاں ہوتی ہیں اور یہ کمزوریاں ایسے انسانوں سے غلطیاں کرواتی ہیں۔ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد محترم حضرت یعقوبؑ صاحبِ وحی ہیں لیکن جیسے ہوتا ہے باقی اہلِ خانہ اس سے مستفید نہیں ہوتے ہے البتہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شروع ہی سے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ وحی کی روشنی میں زندگی بسر کر کے حالات کو بہتر کرنے کی کوشش کریں گے دیکھیں یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام نے مختلف فیصلہ کر کے اپنے ارادے کو مختلف سمت میں رہنمائی دی ہے۔

(2) اس فیصلہ کے بعد قدرتی بات ہے کہ اُن کے اور اُن کے بھائیوں کے درمیان اختلافات اُبھرنے شروع ہو گئے اور اُن کے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال کر انہی طرف سے اُن کو ہمیشہ کے لئے فارغ کر دیا۔ یہاں پر ہمیں ذہن میں رکھنا چاہئے کہ انسان کس حد تک غلط کام کر سکتا ہے جب وہ وحی کی ہدایت کے باہر کام کرتا ہے۔ اِسی لئے ہمیں کبھی بھی غیر قرآنی انسانوں سے بہتر نظام کی اُمید رکھنی چاہئے اور نہ ہی اس نظام کی تقویت باعث بننا چاہیے۔

(3) حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے چونکہ ایک عظیم مقصد تھا جو کہ اُنہوں نے وحی کی روشنی میں اپنے لئے متعین کیا تھا اس لئے وہ بھائیوں کے اس عمل سے گھبرائے نہیں۔ قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ اُن کو وحی کے اشارہ سے یہ بتا دیا گیا تھا کہ بھائی جو غلط کام کر رہے ہیں یہ مستقبل میں قانونِ مکافاتِ عمل کی روشنی میں سامنے آجائے گا۔ لیکن یہ صرف ہم وحی کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں بغیر وحی کے عام انسان کو لگے گا کہ یہاں جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا اصول چل رہا ہے۔ یہاں پر یہ بات ہمیں ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ قرآن کی روشنی ہمارے لئے ہدایت کا کام دیتی ہے۔

(4) حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے ایک قافلہ والوں نے نکال کر مصر کے بازار میں بحیثیت غلام کے فروخت کر دیا۔ یہاں پر قرآن نے ہمارے لئے اہم ہدایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اُس نے ہمیں بتایا ہے کہ انسان کی صاحب اختیار وارادہ ہونے کی وجہ سے بہت اونچی حیثیت ہے اور دین کے نظام میں کسی قسم کی غلامی نہیں ہوگی۔ انسان واجب التکریم ہے اور یہ ایک مستقل قدر ہے۔ ایک غلط معاشرہ میں انسان کی حیثیت اُس کی دولت اور دنیاوی حیثیت سے لگائی جاتی ہے اور

یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ قافلہ والوں نے اس کی بہت کم قیمت لگائی یعنی بحیثیت انسان اور پھر وحی کی روشنی میں چلنے والا بشر۔ بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے ایک عہدیدار نے خرید لیا۔ قرآن نے اُس کو عزیز کہہ کر پکارا تھا یعنی ایک اعلیٰ عہدیدار۔ قرآن ہمیں ہر قسم کی غلامی کو پہچاننے میں مدد دیتا ہے تاکہ ہم اُسے دور کر سکیں۔

(5) حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے چونکہ ایک بہت عظیم مقصد تھا اس لئے انہوں نے اپنے وقت کو بہترین طریقہ سے استعمال کیا۔ اُنہوں نے علم حاصل کیا کہ نظام مملکت کیسے چل رہا ہے اور اس کی کمزوریاں اور Strengths کیا ہیں۔ اس نظام کو ضرورت پڑنے پر یعنی اقتدار ملنے کے بعد کس طرح مرحلہ وار ایک ربوبیت کے نظام کی طرف لے جانا ہوگا۔ اس میں اُنہوں نے اردگرد کا جائزہ لے کر یہ بھی دیکھا ہوگا کہ کون سے افراد ایسے ہیں جن کی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے اور لامحالہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو کہ موجودہ نظام سے غیر مطمئن ہوں گے۔ یہاں پر ہمارے لئے انسانیت سازی کے لئے رہنمائی ہے۔

> ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ غلط راستہ ہمیں کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ قرآنی ذہن کی منزلِ مقصود خوف اور حزن کے بغیر انسانی نظام کا قیام ہے (2:38)

(6) جب قرآن نے مومنین کو محسنین کہا ہے تو اس سے مراد وہ سب کردار کی خوبیاں ہیں جس کی نظامِ ربوبیت کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک اہم لفظ ہے جس کی طرف اللہ نے بار بار ہماری توجہ مبذول کروائی ہے کہ اپنے کردار میں وہ بلندی پیدا کریں جس سے ہمیں علم ہو جائے کہ کس قسم کے افراد کی اسلامی نظام کو ضرورت ہوتی ہے یہ ایک نفس کی تبدیلی کا نام ہے اور اس تبدیلی سے ہر فرد کی باہر کی دنیا بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کی اعلیٰ سیرت اور بصیرت کی طرف اللہ نے محسن کہہ کر ہمارے سوچنے کے لئے عظیم مواد مہیا کیا ہے۔ اسی خوبی کو اپنانے سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس وقت اسلامی نظام کو قائم کرنے میں مدد لی۔ جماعت مومنین کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا ہر فرد حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح اعلیٰ کردار کا مالک ہو اور یہ کردار پیہم کوشش اور علم حاصل کرنے سے ملتا ہے یعنی وحی کی روشنی میں۔

(7) حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک اہم خوبی کردار کی طرف قرآن نے تفصیل میں جا کر بتایا ہے کہ اس سے اُن کی ذات اس کام کے قابل ہو گئی جس کے لئے وہ کوشاں تھے۔

وہ خوبی یہ تھی کہ اُنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ ہم نے آج کی دنیا میں مشاہدہ کیا ہے کہ انسانوں نے جو نظام بنا رکھا ہے وہاں غیر اخلاقی حرکات کو عام کیا ہوا ہے۔ اس لئے جب ہم قرآن کا پیغام اُن تک پہنچاتے ہیں اُن کا ذہن اس طرف نہیں آتا کیونکہ وہ اس غلط نظام کو اپنے ذہنوں میں اس حد تک جگہ دے چکے ہیں کہ وہ اس سے باہر اعلیٰ مقاصد کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان اپنی خواہشات اور اپنی دنیا کی اضافی اقدار کے باہر سوچنے کو تیار ہی نہیں اُس کو قرآن کی عظیم

الشان اعلیٰ تعلیم کی کس طرح سمجھ آئے گی۔

(8) حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اعلیٰ کردار اور اس کی وجہ سے جو ذات وجود میں آ گئی تھی وہ اس قابل ہو گئی تھی کہ وہ ہر اُس مشکل کا سامنا کر سکتی تھی جو کہ ایک غیر قرآنی نظام اُن پر مسلط کر سکتا تھا۔ وہ چونکہ وحی کی روشنی میں آگے بڑھ رہے تھے اس لئے اُنہیں مکمل یقین یا ایمان تھا کہ اُن کی کوششیں کبھی بھی رائیگاں نہیں جائیں گی۔ یہ اس داستان کے وہ حصے ہیں جن کو قرآن نے اَحْسَنَ الْقَصَصِ (12:3) سے تعبیر کیا ہے۔ جن میں ہمارے لئے عظیم حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ اس یقین کا معیار یہ تھا کہ جب وہ قیدی بھی تھے تو انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا حالانکہ بادشاہ وقت نے خود بلایا تھا۔ وہ انکار ایک اصول کی بنیاد پر تھا جب تفتیش مکمل ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دے دیا گیا کہ اُن کا کوئی قصور نہیں تھا۔ تب وہ قید خانہ سے باہر تشریف لے آئے۔

> ایک مومن ذات صرف اور صرف اللہ کے لئے کام کرتی ہے۔ اور دوسرے انسانوں کی غیر قرآنی بے مقصد باتوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتی ہے اور اُن کو اپنے اوپر اثر نہیں کرنے دیتی

(باقی تفصیل کے لئے دیکھئے مطالب الفرقان جلد: 7، پرویزؔ)

(9) سطحی نگاہیں تو اس داستان کو ایک کہانی کے طور پر لے کر اور پڑھ کر آگے بڑھ جاتی ہیں۔ جبکہ قرآن ہمیں کہتا ہے کہ اس سے ہماری عقل میں بے حد وسعت آنی چاہئے ہم اس سے انسانی مسائل اور جو سوچ اُن کے پیچھے کام کرتی ہے، اُن کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ قرآن کو سمجھ کر اور غور کر کے بڑھا جائے اور اس طریقہ سے اس کی آیات کا تجزیہ کیا جائے کہ آج کی دنیا میں ان سے کس طرح فائدہ لینا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بہت اُونچی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور ہر علم اور تربیت اُنہوں نے شوق سے حاصل کی تھی اُس کو پھر ربوبیتِ عامہ کے لئے بھرپور طور پر استعمال کیا۔ اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے لیکن ہم سب کو چاہیے کہ اس پر مزید غور کریں کہ جب بھی دین کے نظام کے لئے ہمیں موقع ملے گا ہم اُس کو کس طرح سے منظم کریں گے۔ اس کے خدوخال ابھی سے ہمارے ذہنوں میں ہونے چاہئے۔ یہ ایک مرحلہ وار کوشش ہوگی اور اس کے ہر مرحلہ کا نقشہ ہمارے ذہن میں ہونا چاہیے۔

(10) حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے سات سال تو بہترین طریقہ سے معاشی حالات کو بہتر کیا تا کہ مشکل حالات کا بعد میں سامنا کیا جا سکے۔ قرآن اس کی تفصیل میں نہیں گیا۔ لیکن اس کی تفصیل کو ہم مزید غور کر کے سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بھی ہماری عقل کی تربیت کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جن کے متعلق قرآن نے ہماری توجہ دلائی ہے کہ رات اور دن سوچا کرو تا کہ ہماری عقل کی وسعت علم کی روشنی بڑھتی ہی چلی جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذمہ داریاں ہم نے انسانی دنیا میں نبھانی ہیں تو ہمیں یہ کرتے رہنا ہوگا۔ اس لئے اکٹھے مل کر سوچنا اس کی اہم ضرورت ہے۔ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے

(53:39)

(11) جب قحط کے سال شروع ہوئے تو قدرتی بات ہے کہ بادشاہ' اہلِ مصر اور حضرت یوسف علیہ السلام اس پر پریشان بھی نہیں ہوئے بلکہ اعتماد کے ساتھ ان معاملات کو حل کرنے پر لگ جاتے ہیں تاکہ عوام کو کم سے کم مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی کو قرآن نے یہ کہہ کر ہماری توجہ دلائی ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہوتی ہے اگر ہم صحیح راستہ اختیار کریں اور مناسب منصوبہ بندی کریں۔ انسانی دنیا کے معاملات مشکل اُس وقت بن جاتے ہیں جب ہم راستہ غلط اختیار کرتے ہیں اور بجائے اس کے ہم دیکھیں کہ کہاں سے غلط سمت کی طرف قدم اُٹھا ہے ہم غلط سمت ہی کو صحیح سمجھ کر چلتے رہتے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ غلط راستہ ہمیں کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ قرآنی ذہن کی منزلِ مقصود خوف اور حزن کے بغیر انسانی نظام کا قیام ہے (2:38) اور جب وہ نظام شروع ہو جائے تو اُس کو مضبوط کر کے بہترین مومنین بنانے کا کام ہے تاکہ اس نظام کو کبھی بھی زوال نہ آئے۔ اگر زوال آ گیا تو انسانیت کی وہ حالت ہو جائے گی جو کہ آج کی دنیا کے حالات ہیں یعنی ہر طرف خوف اور حزن کا دور دورہ ہے۔

ہمارے لئے یہ بہت اہم نقطہ ہے کہ انصاف ہر حالت میں کیا جانا چاہیے۔ اس کے لئے نظام کے آنے سے پہلے اپنی تربیت کی جائے

(12) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی غلہ لینے مصر پہنچ گئے کیونکہ چند سال کے قحط کے بعد اناج وغیرہ ختم ہو گیا ہوگا۔ یہاں پر ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ صرف اہم نقاط پر مختصر سی نظر ڈالتے ہیں۔ اُن کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا اور ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ قرآن کی ہدایت کی طرف اگر ہم کسی چیز کی تلاش میں نہ ہوں تو مل کیسے سکتی ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن کو پہچان کر اُن کی ضرورت کے مطابق غلہ مہیا کر دیا۔ اور اُن سے خاندان کے حالات کا بھی علم حاصل کر لیا۔ یہاں پر دو ایک اہم باتیں ہیں جن کے متعلق تبصرہ ضروری ہے۔ بات یہ ہے کہ جب عزیز مصر بن گئے تو وہ واپس اپنے اہلِ خاندان کو ملنے نہیں گئے اور اپنی خواہش اور جذبات کو وحی کی روشنی میں رکھا اُن کے سامنے ایک عظیم مقصد تھا یعنی ربوبیت کا انتظام۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اُنہوں نے بھائیوں کو اپنے متعلق بتانا ضروری نہ سمجھا کیونکہ مکافاتِ عمل کے تحت اس کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔

یہاں سے ہمارے لئے بھی ہدایت ہے کہ جس کام میں ہم لگے ہوئے ہیں یعنی اپنی ذات کو دین کے لئے تیار کریں اُس میں اپنی بہترین تربیت کریں اور پھر یہ جو جذباتی معاملات ہوتے ہیں اُن کو اس کام میں حائل نہ ہونے دیں۔ ایک مومن ذات صرف اور صرف اللہ کے لئے کام کرتی ہے۔ اور دوسرے انسانوں کی غیر قرآنی بے مقصد باتوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتی ہے اور اُن کو اپنے اوپر اثر نہیں کرنے دیتی۔

(13) قرآن ربوبیت کے انتظامات کی مزید تفصیل میں نہیں گیا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی یہ انسانی عقل کا کام

ہے کہ وہ خود ان چیزوں پر غور کر کے تفصیلات معلوم کر لے۔ اگر یہ نہیں کرے گی تو پھر یہ اپنی وسعت کو کیسے بڑھائے گی؟ اگلی دفعہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے آئے تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لے آئے جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی تھا۔ قرآن نے اُس کا نام مذکور نہیں کیا۔ یہاں پر ان بھائیوں نے جانے سے پہلے بادشاہ کا کٹورہ اُس بھائی کی بوری میں رکھ دیا اور اس طرح اس بھائی پر چوری کا الزام لگ گیا۔ آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ چونکہ کٹورا اس حقیقی بھائی کی بوری میں ملا تھا اس لئے اس کو پیچھے رہنا پڑا جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی چاہتے تھے لیکن وہ خود یہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ زبردستی ہونی تھی اور ناانصافی بھی۔ اُن کا کردار اس بات کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک مردِ مومن ہر حالت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ ہمارے لئے یہ بہت اہم نقطہ ہے کہ انصاف ہر حالت میں کیا جانا چاہیے۔ اس کے لئے نظام کے آنے سے پہلے اپنی تربیت کی جائے۔

(14) حضرت یوسف کے بھائی چھوٹے بھائی اور ایک بڑے بھائی کے بغیر ہی گھر لوٹ گئے۔ لیکن اپنے حصہ کا غلہ ساتھ لے گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُن کو واپس بھیجا تا کہ مزید غلہ بھی لے کر آئیں اور اُن بھائیوں کا پتہ بھی لگائیں۔ جب یہ بھائی واپس آ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو ملے تو اس دفعہ اُنہوں نے اپنی شناخت کر دی یعنی کہا کہ میں یوسف علیہ السلام ہوں۔ بھائیوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا حیران کن انکشاف تھا۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن کو معافی دے دی اور کہا کہ اُس کے بعد اس کا ذکر بھی نہیں ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو غلہ وغیرہ دے کر واپس بھیج دیا اور کہا کہ سارے اہلِ خاندان اب مصر میں آ جائیں تا کہ وہ اب خوف اور حزن سے آزاد زندگی بسر کر سکیں۔

لیکن قرآن نے اس داستان کو یہاں ہی ختم نہیں کیا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی اس میں چند اہم نقاط کو بھی اختصار سے ہمارے سامنے لایا ہے۔

(15) انسانی دنیا میں حالات انسانی عقل، جذبات اور ہاتھوں سے طے پاتے ہیں جب انسانی عقل وحی کی روشنی کے بغیر کام کرتی ہے تو وہ ہمارے اردگرد کی طرح کی دنیا بناتی ہے یعنی جس میں ہر طرف ظلم ہوتا ہے اور انسانی نظام یتیم اور مسکین بناتا ہے۔ اکثریت انسانوں کی چاہے وہ امیر ہوں یا غریب اسی کو حقیقت سمجھ کر اس کے اندر گزارا کئے جاتے ہیں۔ چند جو سوچتے بھی ہیں وہ سوچ کی حد سے آگے نہیں جاتے اور انہی حالات سے کسی طرح سے سمجھوتا کر کے زندگی اچھی بُری گزار کر چلے جاتے ہیں۔ کافی لوگ مذہبی عقائد سے بھی مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُن کی آخرت اچھی گزرے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خیرات (CHARITY) لینے اور دینے والے

قرآن کے نظام کی کیا بات ہے! اسے خیرات نہیں کہا۔ خیرات سے تو نفسیاتی طور پہ دینے والے اور لینے والے دونوں کی تذلیل ہوتی ہے۔ یہ نفسیاتی تبدیلی ہوتی ہے۔ اس سے لینے والے کے اندر Inferiority Complex (احساسِ کمتری) پیدا ہو جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو نیچ Feel (محسوس) کرتا ہے۔ دینے والے کے دل کے اندر ایک تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''صدقے اور خیرات سے دل مر جاتا ہے۔'' یہ خیرات نہیں ہے یہ حق ہے۔ یہ As of right (بطور حق) ہے۔ یہ اس میں سے لیتے ہیں جس کے اندر اس کا حق ہے۔ جو حق لیتا ہے وہ اس کے اوپر یہ نہیں کہتا کہ مجھ پہ کوئی بہت بڑا احسان ہو گیا وہ تو اپنا حق لے رہا ہے۔ جو کسی کو اُس کا حق دیتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میں نے اس پر کوئی احسان کیا ہے کہ میں نے اس کو دیا ہے۔ وہ تو اس کا حق دے رہا ہے۔ حق کے ساتھ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ (70:24) کہا ہے۔ یہ بات چپکے سے نہیں کہی ہے۔ یہ تو اُس قسم کے نظام میں اس قسم کے قانون ہونگے جو نافذ کیے ہوئے ہونگے۔ اس بات کا ہر ایک کو علم ہوگا کہ جس کی ذرا ضرورت رکے گی، جس کا چلتا ہوا کام رکے گا، اس کا حق ہوگا، کہ نظام اس کا انتظام کرے گا، مملکت اسلامی اس قسم کا بندوبست کرے گی کہ کوئی ایسا رہے ہی نہیں کہ جس کی ضرورت رکی ہوئی ہو۔ وہاں کیفیت یہ نہیں ہے:

کس دریں جا سائل و محروم نیست　　عبد و مولا حاکم و محکوم نیست[1]

(اقبالؒ)

بات روٹی کی ہی نہیں ہے عزتِ نفس کی بھی ہے۔ کوئی شخص ذلیل ہوتا ہے جب کوئی شخص حاکم ہو اور یہ اس کا محکوم ہو تو ذلت تو آ گئی۔ قرآن نے کہا ہے کہ ہم نے ہر بنی آدم کو صاحبِ تکریم پیدا کیا ہے تو وہاں کوئی حاکم و محکوم بھی نہیں ہوتا، سائل و

[1] ہمارے ہاں (یعنی اسلامی مملکت میں) کوئی شخص اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا اس لیے کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور جب کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا تو پھر نہ کوئی کسی کا غلام ہوتا ہے نہ کوئی غلاموں کا آقا۔ حتیٰ کہ نہ یہاں کوئی حاکم ہے اور نہ محکوم۔ خدا نے جو غیر متبدل قوانین عطا فرمائے ہیں سب انہی کے تابع زندگی بسر کرتے ہیں اور کوئی انسان کسی انسان پر حکومت نہیں کرتا۔ یہی قرآنی تعلیم کا مقصود و منتہیٰ اور یہی اسلامی دستور و آئین کا ماحصل و لب لباب ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

محروم بھی نہیں ہوتا ۔ یہ ہے وہاں جو کہا ہے کہ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (70:24-25) ابھی ابھی ہم نے سورۃ الماعون میں دیکھا ہے کہ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ❶ (107:1)۔

يَوْمِ الدِّيْنِ کی تصدیق کرنے والے

ان مصلین کو تم نے دیکھا ہے جو دین کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہاں یہ کہنے کے بعد کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے مال میں سائل ومحروم کا معلوم حق ہے' کہا کہ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (70:26) یہ ہیں جو یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ تکذیب کرتے تھے' دیکھا آپ نے تصریفِ آیات سے' قرآن کی آیات کو ملانے سے' مطلب کتنا اجاگر ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ وہ تکذیبِ دین کرتا ہے جو بے کس اور تنہا رہ جانے والے کو دھکا دیتا ہے' مسکین کی روٹی کا انتظام نہیں کرتا' رزق کے چشموں کو بہتے ہوئے پانی کی طرح نہیں رہنے دیتا' بند لگا کے روک لیتا ہے۔ اور دین کی تصدیق وہ کرتا ہے جن کے مال میں مسکین اور محروم کا حقِ معلوم ہوتا ہے اور وہ انہیں دیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (70:27) جانتے ہیں کہ اگر غلط نظام پیدا ہوا' جس میں مال کو جمع کیا' روک کے رکھا' بند کر کے رکھا' وہاں سائل بھی محروم ہوئے' یتیم بھی ہوئے' ان کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے جو تباہی آتی ہے یہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کسی طرح وہ تباہی نہ آجائے' وہ ڈرتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ (70:28) جب وہ تباہی آتی ہے تو کوئی بھی اس میں مامون نہیں رہتا' اس تباہی سے کسی کو کہیں بھی پناہ نہیں ملتی۔ اس قسم کا معاشرہ تباہ ہو کر رہتا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقام پہ یہ کہا ہے کہ اس فتنے سے خوف کھاؤ' محتاط رہو' اس کو روکو' آنے نہ دو' کیونکہ جب وہ آیا کرتا ہے تو وہ صرف ظالموں تک ❷ ہی نہیں ہوتا' انہی کو نہیں پکڑا کرتا جنہوں نے ظلم کیا تھا۔ اس سیلاب کے اندر تو سارے بہہ جایا کرتے ہیں۔ روکو' اس فتنے کو نہ آنے دو' اس تباہی کو نہ آنے دو جس کی یہ کیفیت ہے۔ کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں مصلین کہا جاتا ہے۔

عزیزانِ من! ذہن میں یہ نہ رکھیے کہ یہ جو ہمارے ہاں کی صلوٰۃ کے اجتماعات ہیں اور اس کی یہ شکلیں ہیں' میں اس کی تنقیص کر رہا ہوں۔ وہ اس نظام میں ضروری چیزیں ہیں لیکن وہ اسی صورت میں ہیں کہ جب ان اجتماعات کا' اس صلوٰۃ کا' اور اس نماز کا' نتیجہ یہ ہو کہ وہ معاشرے سے اُن چیزوں کو دُور کرے' اور یہ چیزیں پیدا کرے۔ ان کے اندر صلوٰۃ کا ایک نظام ہے' یہ کوئی ہنگامی Prayer (دعا یا نماز) نہیں ہے۔ اس صلوٰۃ کا نتیجہ قرآن نے خود بتا دیا کہ اس کے اندر کوئی بھوکا نہیں رہے گا' کوئی محتاج نہیں رہے گا' یہ لوگ اس تباہی سے ڈریں گے جو اس قسم کے نظام کا نتیجہ ہوتی ہے۔

---

❶ کیا تم نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتا ہے لیکن عملاً دین کی تکذیب کرتا ہے۔ یعنی اس کا طرزِ عمل اس امر کی دلیل ہے کہ اگر دینداری یہی ہے جس کا مظاہرہ اس کے اعمال سے ہوتا ہے تو پھر دین کا ہر دعویٰ جھوٹا ہے۔ (53:33; 95:7; 75:32-33) (ایضاً)۔

❷ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً (8:25) (اور اسے بھی یاد رکھو کہ اگر جماعت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو اس قسم کے تذبذب میں گرفتار ہوں) تو اس سے جو مصیبت آتی ہے وہ صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہتی وہ سارے کے سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتی ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

اہل یورپ کی حالت زار

عزیزانِ من! یورپ نے اپنے ہاں جو نظام قائم کیا تھا' اس نظام کے نتیجے میں' اس وقت' جس قدر آہ وفغاں' وہاں ہو رہی ہے اس کے مقابلے میں ہمارے دکھ تو دبے ہوئے دکھ ہیں' وہ تو ہم اندر ہی اندر آہ وفغاں کر رہے ہیں لیکن اگر آپ نے ترقی یافتہ قوموں کا لٹریچر پڑھا ہو تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ کس قدر چیخ رہے ہیں اُس قیامت سے جو غلط نظام کی وجہ سے ان پہ آئی ہوئی ہے۔ یہ Physically (طبعی طور پہ) چاند پہ پہنچ رہے ہیں لیکن معاشرتی طور پر ان کے ہاں گھر کے اندر بھی کوئی اپنے آپ کو مامون نہیں تصور کر سکتا۔ غلط نظام یہ ہوا کرتا ہے۔ یہ مصلین وہ لوگ ہیں جو اُس نظام کو قائم کریں گے۔ آگے چند آیات میں بتایا ہے کہ اُن کی خوبیاں کیا ہیں۔ (ماخوذ از دروس القرآن)

پرویز صاحب کی آخری اپیل

آخر میں، میں اپنی اُس مخلصانہ اپیل کو ایک بار پھر دہراؤں گا، جسے میں ہر سال آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

1۔ اپنے ذہن میں کسی غیر قُرآنی تصور وخیال کو جاگزیں نہ ہونے دو۔

2۔ اپنے قول سے ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی ثابت کرو کہ قُرآن کی تعلیم انسان کو کس بلند مقام پر لے جاتی ہے۔

3۔ قُرآنی فکری نشر واشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دو۔ لیکن جو کچھ کرو خالصتہً لوجہ اللہ کرو۔ اس میں کسی ذاتی مفاد یا جذبہ کو دخل انداز نہ ہونے دو۔

4۔ آپ سے کسی قسم کی کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہونے پائے جس میں فرقہ پرستی یا پارٹی بازی کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔ اپنے دامن کو ان خاردار جھاڑیوں سے قطعاً نہ الجھنے دو۔

5۔ اپنے وقت اور توانائی کو، ضدی طبقے کے ساتھ بحث وتمحیص میں ضائع نہ کرو۔ قُرآنی تعلیم کو صرف اُن لوگوں کے سامنے پیش کرو جو علم وبصیرت سے سمجھنے اور سنجیدگی سے اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔

6۔ ہر رات سونے سے پہلے یہ سوچو کہ آپ نے۔

(i) دن بھر میں قُرآنی احکام وتعلیم کے خلاف تو کوئی کام نہیں کیا۔ اور

(ii) آپ نے کسی دُکھی انسان کو سکھ پہنچانے کے لئے کیا کیا ہے۔ یاد رکھئے! انسانیت کی بے لوث خدمت، بلند ترین مقصد زندگی ہے۔

7۔ اور آپس میں محبت اور پیار اور مُودّت والفت کے ساتھ رہو، کہ دنیا میں قُرآنی رشتے سے زیادہ پاکیزہ اور گہرا رشتہ اور کوئی نہیں۔

پرویزؔ

اللہ آپ کو خوش وخرم رکھے اور آپ کے عزائم کو کامیابی عطا فرمائے۔ (والسلام!) (''منزل بہ منزل''، صفحہ: 181)

یکے از مطبوعات کاروانِ باغبان

(1) ''لَآ اِلٰہَ'' پیشِ غیر اللہ لاگفتن حیات (اقبالؒ)

لا سلاطین، لَا کلیسا، لَا اِلٰہَ (اقبالؒ)

در جہاں آغازِ کار از حرفِ لا ست (اقبالؒ)

تا نہ رمزِ لَا اِلٰہَ آید بدست بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

لَا وَ اِلَّا احتسابِ کائنات لَا وَ اِلَّا فتحِ بابِ کائنات

ہر دو تقدیرِ جہانِ کاف و نون حرکت از لَا آید، از اِلَّا سکون

لَا غیر اللہ کا نفی کرنا ہے اور عبد اللہ بننا ہے۔ اور ختم نبوت کے عظیم ترین معجزہ کے بعد قرآن کو علمی دنیا میں ویٹو پاور بنانا ہے اور بس! مزید تفصیل کلیاتِ اقبال فارسی 813

(2) ضروری اعلان باغبان ایسوسی ایشن کا نام تبدیل کر کے ''کاروانِ باغبان'' رکھ دیا گیا ہے۔ آئندہ ہر خط و کتابت اور لین دین میں یہی نام ''کاروانِ باغبان'' استعمال کیا جائے، جو لوگ باغبان ایسوسی ایشن کا نام استعمال کریں گے ہمارا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا یہ ایک حتمی فیصلہ ہے جو کہ کیا جا چکا ہے

ملک حنیف وجدآنی سنبل سیداں نیومری 0310-1547355

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوجوان دوستوں کے نام

تُو آئے تو لگتا ہے اپنی بھی سحر ہوگی!

طلوع اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قرآن مجید کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے، خاص طور پر نوجوانوں کو قرآن کے اصول وقوانین سے آگاہ کیا جائے۔ قرآن پڑھنا سمجھنا اور پھر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جو لوگ لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں ان کو قرآن سمجھانا ہر پڑھے لکھے مسلمان پر فرض ہے۔ (دیکھئے القصص:87-85، قٓ:45، المائدہ:67)

ہمارے قارئین یہ پوچھتے رہتے ہیں جن میں نوجوان طالب علموں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے کہ ہم کیا کریں؟ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ طلوع اسلام کی وجہ سے قرآن کی تعلیمات سے تو ہم فیض یاب ہو ہی رہے ہیں، قرآن کا نظام ربوبیت بھی ہم سمجھ رہے ہیں۔ لیکن ہم اپنی عملی زندگی میں ان کا نفاذ کیسے کریں؟ یہ وہ سوال ہے جو طلوع اسلام پڑھنے والے اکثر نوجوان ہمیشہ سے سوچتے اور پوچھتے چلے آرہے ہیں کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قرآن کریم کے اصول وقوانین کو کس طرح نافذ کریں؟

کچھ نہ کچھ کرنے کی آرزو عام طور پر ہر باشعور انسان کے دل میں ضرور ہوتی ہے، جب کوئی نوجوان مسلمان قرآن پڑھتا اور سمجھنے لگتا ہے تو اس کے دل میں کچھ اچھا کر گزرنے کی خواہش زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن کی روشنی میں اپنے معاشرے کی بہتری کے لیے کیا اور کیسے کرے؟ قرآن کریم کی ہدایات میں سے ہم اپنے نوجوانوں کو چند ضروری باتیں سمجھانا چاہتے ہیں۔ کسی بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآنی تعلیمات پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل کرنا آسان کام نہیں ہے، قدم قدم پر مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات قرآن کریم میں ہمیں اس طرح سمجھائی گئی ہے کہ: (مفہوم)

> جنہوں نے اِس سے پہلے اِس انقلاب آفرینی کی کوشش کی۔ سختیاں اور مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ اُن کی شدت سے اُن کے دل دہل جاتے۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کا رسول پکار اٹھتے کہ بارالٰہا! ہماری کوششوں کی بارآوری کا وقت کب آئے گا۔ ایسے ایسے ہمت شکن اور صبر آزما مراحل کے بعد کہیں جا کر اُن کی کوششیں کامیاب ہوتیں اور تائید ایزدی اُن کی سعی وعمل کو ثمر بار کرتی۔ تمہیں بھی انہی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ (البقرہ:214)

وحی کی راہ نمائی تمام انسانوں کو ایک برادری میں منسلک کر دینا چاہتی ہے، لیکن چونکہ اِس سے اِنفرادی مفاد چاہنے والوں کے مقاصد پر زد پڑتی ہے، اِس لیے وہ اِس کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا اِس جنتی معاشرہ کے قائم کرنے کے لیے

سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سو، اے جماعتِ مومنین! تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اِس معاشرہ کو یونہی قائم کرلو گے اور مفت میں جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمہیں بھی اُن جاں گداز مراحل سے گزرنا پڑے گا جن سے وہ لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اِس سے پہلے اِس انقلاب آفرینی کی کوشش کی۔ سختیاں اور مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ اُن کی شدت سے اُن کے دل دہل جاتے۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کا رسول پکار اٹھتے کہ بارالٰہا! ہماری کوششوں کی بار آوری کا وقت کب آئے گا۔ ایسے ایسے ہمت شکن اور صبر آزما مراحل کے بعد کہیں جا کر اُن کی کوششیں کامیاب ہوتیں اور تائید ایزدی اُن کی سعی و عمل کو ثمر بار کرتی۔ تمہیں بھی انہی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ (البقرہ:214)

یہی بات دوسری جگہ سورہ البقرہ : 157-155 میں اس طرح سمجھائی جارہی ہے:

> جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں پیدا کرتی تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (اللہ کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور ان کے لیے باعث تقویت بنتی ہیں، الاحزاب:43) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لیے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اس جدوجہد میں بیشتر مواقع ایسے آئیں گے جن میں تمہیں اِس امر کا اندازہ ہو سکے گا کہ تمہاری صلاحیتوں کی کس حد تک نشوونما ہو چکی ہے۔ (ٹکراؤ کے بغیر انسان اپنی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ مزید دیکھئے، الملک: 2) اس میں کہیں جنگ و قتال اور دیگر خطرات کا اندیشہ ہوگا تو کبھی کھانے پینے کے سامان کی کمی ہوگی۔ کہیں مال اور جان کا نقصان ہوگا۔ کہیں کھیت اور باغ اجڑیں گے۔ یہ سب کچھ ہوگا لیکن آخر الامر فتح و کامرانی کی خوش خبریاں ان کے لیے ہوں گی جو اِس جدوجہد میں ثابت قدم رہیں گے اور مصائب و مشکلات کے ہجوم میں اُن کی نگاہیں، اِس نقطہ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹیں گی کہ ہمارا مقصدِ زندگی نظامِ خداوندی کا قیام بنے۔ ہم نے اپنے آپ کو اِس کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ مشکلیں آتی ہیں تو آئیں، ہمارا ہر قدم اِسی نصب العین کی طرف اٹھے گا وہی ہمارا مقصود و منتہٰی ہے اور ہم ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ یہی وہ انقلابی جماعت ہے جو اپنے نشوونما دینے والے کے نزدیک مستحق ہزار تبریک و تہنیت ہے۔ انہیں اُس کے قانون کی تائید حاصل ہے انہی کے لیے سامانِ نشوونما کی فراوانیاں اور الطاف و اکرام کی بارشیں ہیں اور ان کا اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جانا یقینی ہے۔ (البقرہ : 157-155)

قرآن کی روشن راہنمائی میں عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایمان بھی اسی طرح کا ہو جس طرح قرآن کریم میں بتایا گیا ہے۔ ہمارا ایمان کس طرح کا ہونا چاہیے اس کے لیے پڑھیے: (مفہوم)

ان (مخالفین) سے کہو کہ آؤ تمہیں بتائیں کہ وہ کون سا مسلک ہے جسے اختیار کر کے ہم تمہاری خود ساختہ گروہ بندی اور نسل پرستی سے بلند ہو چکے ہیں۔ وہ مسلک یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس ضابطہء حیات پر ایمان رکھتے ہیں جو اُس نے (اِس رسول کے ذریعے) ہماری طرف بھیجا ہے۔ (یہ، اپنی اصل کے اعتبار سے اُسی قسم کا ضابطہء حیات ہے جس قسم کا اس سے پہلے) ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق و یعقوب اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی طرف نازل ہوا تھا۔ ہم اِس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ انہیں بھی (اپنے اپنے وقت میں) خدا کی طرف سے ضوابطِ حیات ملے تھے۔ نیز موسیٰ کو بھی اور عیسیٰ کو بھی۔ بلکہ تمام انبیاء کو۔ ہم ان تمام انبیاء کو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں سمجھتے ہیں اور نبی ہونے کی جہت سے اُن میں سے کسی کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔ یہ ہے وہ مسلک جس کی رو سے ہم خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان سے کہو کہ یہ ہے ہماری دعوت۔ اگر یہ لوگ بھی اُسی طرح اس ضابطہء حیات پر ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو اُس وقت یہ خدا کے متعین کردہ صحیح راستے پر ہوں گے اور اگر یہ اِس سے اعراض برتیں گے تو اُن کا یہ اعراض اُس راستے سے ہٹ جانے کے مترادف ہوگا جس پر تمام انبیاءؑ سابقہ چلتے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے اِس راستے کو اختیار نہ کیا اور اپنی ضد پر قائم رہے، تو ان کی مخالفت بدستور رہے گی لیکن تمہیں اس کی قطعاً پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے نظام میں، جس کی تم اطاعت کرتے ہو، اتنی قوت موجود ہے کہ وہ تمہیں ان کی ضرر رسانیوں سے محفوظ رکھ سکے۔ اِس لیے کہ یہ اُس خدا کا نظام ہے جو سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ (البقرہ:137-136)

> یہ طریق کار ہے بڑا مشکل اور اس پر عمل پیرا وہی ہو سکتا ہے جو نہایت مستقل مزاج ہو، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جس شخص کو اس طریق کار کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ بڑی کامیابیوں اور کامرانیوں کا مالک ہوگا۔

یہی بات اس طرح بھی سمجھائی گئی ہے:

جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں پیدا کرتی تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (اللہ کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور ان کے لیے باعث تقویت بنتی ہیں، الاحزاب:43) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لیے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دیکھیں مفہوم القرآن 41:30، (3:124-125، 8:10-12، 46:13)۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے۔ (اس لیے تمہیں یہ جنتی زندگی اس دنیا میں بھی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی)۔ اس جنتی زندگی میں وہ سب کچھ ہوگا جسے تمہارا جی چاہے گا اور وہ سب کچھ ملے گا جسے تم طلب کرو گے۔ (جو چاہو گے ہوگا جو مانگو گے ملے گا، یہ ہوگا نتیجہ تمہارے یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا)۔ اور یہ سب کچھ ایسی عزت و توقیر کے ساتھ ملے گا جیسے میزبان اپنے مہمان کی تواضع کرتا ہے اس میں اللہ کی طرف سے زندگی کے خطرات سے حفاظت کا

سامان بھی ہوگا اور سامانِ نشوونما بھی۔ اس کے بعد بتاؤ کہ اس شخص کی بات سے زیادہ حسین اور جاذب بات اور کس کی ہوسکی ہے جو لوگوں کو قانونِ خداوندی کی طرف دعوت دیتا ہے اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے اور (اس طرح اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے کہ) وہ ان میں سے ہے جو مسلمین ہیں یعنی ان لوگوں میں سے ہے جو قوانین خداوندی کے اطاعت گزار ہیں۔ یاد رکھو! معاشرہ اور انسانی ذات میں حسن پیدا کرنے والے کام اور ایسے کام جن سے بگاڑ پیدا ہو نتیجہ کے اعتبار سے کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے (یعنی اچھے اور برے کام ایک جیسے نہیں ہوسکتے) اگر معاشرہ میں ناہمواریاں (یعنی خرابیاں) پیدا ہو جائیں تو ان کے ازالے کی بہترین صورت یہ ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ حسن پیدا کرنے والے کام کیے جائیں۔ (اس سے غلط کاموں کے مضر اثرات کا ازالہ بھی ہو جائے گا اور آئندہ کے لیے بگاڑ بھی رک جائے گا۔ نیز اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ) وہ شخص جس کی طرف سے بگاڑ پیدا کرنے والی حرکت سرزد ہوئی تھی اس میں اور تم میں اگر سخت عداوت ہوگی تو وہ تمہارا گرمجوش دوست بن جائے گا۔ (برائی کو بھلائی سے روکنے کا یہ طریقہ ہے لیکن یہ طریق انہی کی صورت میں کارگر ہوسکتا ہے جن میں اصلاح کا امکان ہو۔ جو مخالفت کی آخری حد تک پہنچ چکے ہوں ان کے علاج کے لیے سختی کی ضرورت پڑے گی)۔ لیکن یہ طریق کار ہے بڑا مشکل اور اس پر عمل پیرا وہی ہوسکتا ہے جو نہایت مستقل مزاج ہو، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جس شخص کو اس طریق کار کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ بڑی کامیابیوں اور کامرانیوں کا مالک ہوگا۔ یہ کام دشوار اس لیے ہے کہ سرکش قوتیں اور خود تمہارے سطحی مفاد پر مبنی جذبات اس کی کوشش کریں گے کہ تمہاری اس روش میں بگاڑ کی صورت پیدا کر دیں۔ ایسی صورت میں اس کا علاج یہ ہے کہ تم اور شدت سے قوانین خداوندی کی پیروی کرنے لگ جاؤ۔ اس سے تمہیں ان تخریبی عناصر کی فساد انگیزیوں سے پناہ مل جائے گی۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (حٰمٓ السجدہ:36-30)

> ہمارے گھر ہمارے ملک کی چھوٹی چھوٹی اکائیاں Units ہیں جن سے مل کر گلی، محلے اور شہر بنتے ہیں۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ اگر معاشرہ بگڑا ہوا ہو تو قرآن کریم پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بنالیں اور نظامِ صلوٰۃ قائم کریں

قرآن حکیم آسمانی دستور حیات ہے۔ دستور یا آئین Constitution کسی معاشرے پر لاگو کرنے کے لیے ہوتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پورے کا پورا معاشرہ بگڑا ہوا ہوتا ہے اور ایسے بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن کریم کو بطور آئین نافذ کرنا ناممکن حد تک مشکل ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ہدایت دی:

ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا کہ سرِ دست مصر میں جس جگہ تمہاری قوم ہے، وہیں ان کی ذہنی اور قلبی تربیت شروع کر دو۔ (فرعون اس کی اجازت نہیں دے گا کہ تم اپنی پارٹی کے لیے کوئی تربیتی مرکز بناؤ جہاں ان کے اجتماعات ہوا کریں اس لیے) تم فی الحال اپنی جماعت کے ممبروں کے گھروں کے اندر ہی یہ سلسلہ شروع کر دو اور اس طرح اس نظامِ صلوٰۃ کی ابتدا

کردو (جسے آخرالامر تمام معاشرہ کو محیط ہو جانا ہے) اور اپنی جماعت کو اس نظام کے نتائج وثمرات کی خوش خبری دیتے رہو (تاکہ ان کی ہمتیں تازہ اور حوصلے بلند رہیں)۔

اوپر لکھی ہوئی آیت مبارکہ (یونس: 87) جو ابھی آپ نے پڑھی ہے اس پر زیادہ توجہ دیجیے۔ قرآن کریم کی ہر آیت ہماری پوری پوری توجہ چاہتی ہے، اس آیت مبارکہ میں ہدایت دی جارہی ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بنالو۔ ہمارے اور آپ کے گھر کسی بھی مملکت کے سب سے چھوٹے یونٹ ہوتے ہیں یعنی ایک ایک گھر سے مل کر ایک گلی اور پھر ایک محلہ اور پھر قصبے اور شہر بنتے ہیں، ہمارے گھر ہمارے ملک کی چھوٹی چھوٹی اکائیاں Units ہیں جن سے مل کر گلی، محلے اور شہر بنتے ہیں۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ اگر معاشرہ بگڑا ہوا ہو تو قرآن کریم پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بنالیں اور نظامِ صلوٰۃ قائم کریں۔ مزید غور فرمایئے کہ جس چیز کو ہم معاشرہ Society کہتے ہیں وہ ہمارے آپ کے کھلے ہوئے گھروں کا نام ہے۔ صبح سویرے ہم سب اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اپنے اپنے کام دھندوں کے لئے دفتروں، کارخانوں، بازاروں اور تعلیمی اداروں وغیرہ کے لئے چل پڑتے ہیں۔ آپ یہ سوچئے کہ جس قسم کے کردار کے لوگ گھروں میں رہتے ہیں وہی کردار معاشرے میں ہوں گے، اگر گھروں میں نیک لوگ رہتے ہوں گے تو معاشرہ بھی اچھے انسانوں کا ہوگا۔ اگر ہم یہ دیکھیں کہ ہمارا معاشرہ بگڑا ہوا ہے اور ہم اچھے اور اعلیٰ کردار کے انسان اور مسلمان بننا چاہتے ہیں جو کسی بھی بگڑے ہوئے معاشرے میں بہت ہی مشکل کام ہے تو اس کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو مرکزِ توجہ بنالو اور الصلوٰۃ قائم کرو۔ اگر آپ اپنے گھرانے کے سربراہ ہیں یا ذمہ دار فرد ہیں تو آپ کے لئے آپ کا گھر ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ گویا بادشاہ اور مکمل طور پر خودمختار ہوتے ہیں جہاں آپ کو روکنے ٹوکنے والا کوئی بھی نہیں۔ یہ باتیں ہم ان نوجوانوں کو سمجھانے کے لیے لکھ رہے ہیں جن کی تمنا ہے کہ وہ قرآن کریم کی رہنمائی میں اپنے معاشرے کے لیے اچھے کام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہمیں ایک حکم مختلف انداز سے بھی واضح کر کے فرمایا ہے۔ پہلے ہمیں ہدایت دی گئی کہ اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بناؤ دوسرے مقام پر جو ہدایت دی جارہی ہے اس پر بھی توجہ فرمایئے:

(اے رسول!) تم ان سے کہو کہ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں کرنا چاہتا، نہ ہی کوئی طول وطویل لیکچر دینا چاہتا ہوں۔ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے ایک ایک، دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو!

> اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ترین ہستی، اتنی بڑی کائنات کا مالک ہم فانی انسانوں کو جو کہ آج کے دور میں اربوں کی تعداد میں ہیں ان میں سے ایک ایک فرد کو یہ حکم اور ہدایت دے رہا ہے کہ تم (سب کے سب اگر نہ سہی تو) اللہ کے لئے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں علم وبصیرت پر مبنی ہیں۔)

اگر تم نے ذرا بھی غور وفکر سے کام لیا تو تمہیں نظر آجائے گا کہ یہ رسول (جو تمہیں دن رات اس قسم کی نصیحتیں کرتا رہتا ہے معاذاللہ ثم معاذاللہ) کوئی پاگل نہیں (اس کی باتوں میں معاذاللہ جنون Madness نہیں ہے)، اس کی ہر بات علم وبصیرت پر مبنی ہے اور اسی علم وبصیرت کی روشنی میں وہ تمہیں تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے قبل از وقت متنبہ کر رہا ہے۔ (سبا:46)

یونس:87 میں ہدایت دی جارہی ہے کہ انفرادی طور پر ہم اپنے اپنے گھروں کو مرکزِ توجہ بنالیں اور صلوٰۃ قائم کریں جب کہ سبا:46 میں ہمیں کہا جارہا ہے کہ تم اللہ کے لیے ایک ایک اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر غور وفکر کرو۔ اس بات پر بھی غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ترین ہستی، اتنی بڑی کائنات کا مالک ہم فانی انسانوں کو جو کہ آج کے دور میں اربوں کی تعداد میں ہیں ان میں سے ایک ایک فرد کو یہ حکم اور ہدایت دے رہا ہے کہ تم (سب کے سب اگر نہ سہی تو) اللہ کے لئے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں علم وبصیرت پر مبنی ہیں)۔

> فرمایا کہ صاف اور سیدھی بات کیا کرو خاص طور پر جب کسی معاملے میں تمہاری گواہی Witness کی ضرورت پڑے تو تم اللہ کی طرف سے گواہ بن کر شہادت دو، توڑ مروڑ کر اور پیچ دار بات نہ کیا کرو، صاف اور سیدھے لفظوں میں ہر حال میں سچ کہنا ہے

یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ کسی بھی بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے ہمارے کردار میں صبر واستقامت کے ساتھ عزم وہمت کا ہونا بہت ضروری ہے، عزم وہمت کے ساتھ ہی ہم انفرادی طور پر اور پھر اجتماعی طور قرآن پر عمل کر سکیں گے، مثلاً:

لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا کہ تم نظام صلوٰۃ کو قائم کرو جس بات کو وحی خداوندی جائز قرار دے اس کا حکم دو۔ جسے وہ معیوب کہے اس سے لوگوں کو روکو۔ اس نظام کے قیام اور بقا کی جدوجہد میں تمہیں جو مشکلات بھی پیش آئیں ان میں ہمیشہ ثابت قدم رہو۔ یاد رکھو! مصائب اور مشکلات میں ثابت قدم رہنا (عزم الامور یعنی) ہمت کے کام ہیں اور اس کے لیے بڑے مستحکم ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (لقمان:17)

یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہر اس شخص کے لئے اسوہءحسنہ Model Character ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر یقین کامل رکھتا ہو (الاحزاب:21) دین خداوندی کے مقابلے میں رشتہ داری کے تعلقات کی حیثیت کیا رہ جایا کرتی ہے اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقا کے طرز عمل کو بہترین نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے (الممتحنہ 7-4)

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اور حسین ترین مضبوط کردار کی بات کرتے ہیں تو ان کے کردار کی بہت ساری خصوصیات میں سے دو عظیم اور اہم ترین خوبیاں تھیں صداقت اور امانت، نبوت سے قبل ہی ان کو اپنے اور بیگانے سب

صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی سچ بات کہنے کا حکم دیا ہے، نہ صرف سچ اور حق بات کہنے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ صاف اور سیدھی بات کیا کرو خاص طور پر جب کسی معاملے میں تمہاری گواہی Witness کی ضرورت پڑے تو تم اللہ کی طرف سے گواہ بن کر شہادت دو، توڑ مروڑ کر اور پیچ دار بات نہ کیا کرو، صاف اور سیدھے لفظوں میں ہر حال میں سچ کہنا ہے یہاں تک کہ تمہارا سچ تمہارے اپنے، تمہارے والدین کے اور اقربین کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔

دیکھئے الاحزاب: 71-70 اور النساء: 135

قرآنی آیات کی روشنی میں جو باتیں ہم نوجوانوں کو سمجھانا چاہتے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں کہ:

1۔ زندگی کے ہر موڑ اور ہر معاملے میں صادق اور امین بننا ہوگا۔

2۔ بات صاف اور سیدھی کیا کرو۔

3۔ اللہ کے لیے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو کر سوچنا ہوگا۔

4۔ اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بنانا ہوگا۔

5۔ قرآن کے احکام پر عمل ہم چاہے انفرادی طور پر کریں یا اجتماعی طور پر قدم قدم پر مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا ہوگا جس کے لئے صبر و استقامت، عزم و ہمت کے ساتھ تحمل اور برداشت کی ضرورت ہر وقت رہے گی۔

اپنا زیادہ سے زیادہ وقت قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں صرف کریں۔ پڑھیں بھی تو اس طرح کہ آپ کے ہاتھوں میں قلم اور ایک نوٹ بک ہونا ضروری ہے تا کہ قرآن کی آیات مبارکہ اور ان میں آئے ہوئے الفاظ کے معانی و مطالب لکھ کر یاد کریں

کسی بھی بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن کی راہنمائی میں مومنوں والی زندگی گزارنا آسان کام نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور ان کے عظیم کردار میں ہمارے دکھوں کا مداوا اور مسائل کا حل موجود ہے۔ ہم اپنے نوجوانوں سے یہ کہیں گے کہ اس مضمون کی روشنی میں اپنی سوچ اور عمل کا جائزہ لیجئے، محاسبہ کرتے کرتے اگر ایسا لگے کہ ابھی آپ کو اور مضبوط ہونا ہے تو اپنے آپ کو خوب سے خوب تر بنائیے۔ یہاں ہم اپنے نوجوان دوستوں کو دو مشورے دینا چاہیں گے۔

پہلا مشورہ یہ ہے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں صرف کریں۔ پڑھیں بھی تو اس طرح کہ آپ کے ہاتھوں میں قلم اور ایک نوٹ بک ہونا ضروری ہے تا کہ قرآن کی آیات مبارکہ اور ان میں آئے ہوئے الفاظ کے معانی و مطالب لکھ کر یاد کریں، اگر ہمارے کہنے سے پہلے ہی قرآن مجید کے نوٹس Notes لے کر پڑھنے اور سمجھنے کے عادی ہیں تو بہت اچھی بات ہے۔ اپنی اس عادت کو برقرار رکھئے Keep it up ۔ محترم پرویز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا درس سننے کے بعد جب کبھی کوئی نوجوان طالب علم اپنی ڈائری یا آٹوگراف بک ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہتا کہ سر! پلیز اپنے آٹو گراف دے دیجئے تو پرویز صاحب ذرا سا سر جھکا کر اپنے چشمے کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں سے بظاہر بے نیازی کی ایک نظر ڈالتے ہوئے آٹوگراف مانگنے والے نوجوان کو سر سے پاؤں تک دیکھتے اور حکم دینے کے انداز میں فرماتے کہ "میرے

درس کو لکھ لیا کرو یہی میرے آٹو گراف ہیں" محترم پرویز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دروس میں کہا کرتے تھے کہ ان حوالوں کو نوٹ کرتے جایئے، ان باتوں کو لکھتے جایئے جو میں بتا رہا ہوں یہ آپ کے کام آئیں گی۔ آج ہمارے زمانے میں ایسے خوش نصیب مل جائیں گے جنہوں نے پرویز صاحب کے درسوں کو Live سنا بھی اور سمجھا اور لکھا بھی اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد وقتاً فوقتاً اپنے بچوں کو اور ملنے جلنے والوں کو فخریہ انداز میں اپنی ڈائریوں اور نوٹ بکس میں لکھے ہوئے درسوں کو دکھاتے رہتے ہیں کہ ہم نے یہ نوٹس Notes آج سے تیس سال یا چالیس سال یا پچاس سال پہلے لکھے تھے۔

> ملکی اور غیر ملکی حالات حاضرہ (Current Affairs) اور International Affairs سے باخبر رہنے کے لئے آپ کو زیادہ سے زیادہ اخبارات، رسائل اور مختلف کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ملکی اور غیر ملکی مختلف ٹی وی چینلز دیکھنے سننے ہوں گے۔ نوجوانوں میں مطالعے کی عادت Reading Habit بہت ہی کم ہوگئی ہے، ان کو مطالعے کی عادت ڈالنا ہوگی

قرآن مجید کی بہت ساری خوبیوں میں ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ اپنے نزول کے پہلے دن سے ہی "آج" کے لئے ہے۔ قرآن آسمانی اصول وقوانین کی ایک ایسی لازوال کتاب ہے جو اپنی اشاعت کے روز اول سے ہی زمانہء حال کے لئے ہے، یہ ایک ایسی خوبی ہے جو دنیا کی کسی کتاب کی نہیں ہے۔ پرویز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے قرآن فہمی کے طریقے کہ "قرآن کو قرآن ہی سے سمجھئے" کے اصول کے مطابق اگر آپ قرآن کی آیات لکھ کر پڑھنے اور سمجھنے لگیں گے تو آپ کے آج کے لکھے ہوئے نوٹس (Notes) جو آج آپ کے کام آئیں گے تو کل آپ کے بچوں کے کام آئیں گے۔ اس لئے کام آئیں گے کہ قرآن ہر زمانے کے "حال" یعنی Present کے لئے ہے۔ ہمارا دوسرا مشورہ پڑھنے کے ساتھ دیکھنے اور سننے سے متعلق ہے۔ ملکی اور غیر ملکی حالات حاضرہ (Current Affairs) اور International Affairs سے باخبر رہنے کے لئے آپ کو زیادہ سے زیادہ اخبارات، رسائل اور مختلف کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ملکی اور غیر ملکی مختلف ٹی وی چینلز دیکھنے سننے ہوں گے۔ نوجوانوں میں مطالعے کی عادت Reading Habit بہت ہی کم ہوگئی ہے، ان کو مطالعے کی عادت ڈالنا ہوگی۔ پرنٹ میڈیا کے ساتھ الیکٹرانک میڈیا نے دنیا کو بہت تیز کر دیا ہے خاص طور پر مغربی ممالک نے اپنے الیکٹرانک میڈیا کو اتنا تیز رفتار بنا دیا ہے کہ ہمارا ایک عام پاکستانی بھائی ان کی تیز رفتار نشریات میں موجود ان کے نظریات اور مقاصد کو شاید ہی سمجھ سکے۔ (ملکی اور غیر ملکی میڈیا کی نشریات کے بارے میں ہم طلوع اسلام کی آنے والی اشاعتوں میں لکھیں گے)

ہم نوجوان دوستوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ قرآن کریم کے معیار کے مطابق مومن اور پھر مسلم بننا آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں تو مسلمان بننا تو اور بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ایک چھوٹا اور آسان سا حکم ہے کہ صاف اور سیدھی بات کیا کرو، سچی بات کیا کرو، کسی معاملے میں گواہی دینے کی ضرورت پیش آجائے تو اللہ کی طرف سے گواہ بن

کر سچی گواہی دو، لفظوں کو توڑ مروڑ کر گواہی نہ دو، تمہارا سچ تمہارے اپنے، تمہارے والدین اور اقربین کے خلاف جائے تب بھی تم کو سچ ہی کہنا ہوگا۔ اس ایک حکم کی روشنی میں اپنا محاسبہ کیجیے اور سوچئے کہ ہم سب اپنی روزمرہ کی زندگی میں انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کے فقط اس ایک حکم پر کس حد تک عمل کر رہے ہیں؟

زندگی میں کچھ اچھا کرنے کی تمنا بڑی اچھی بات ہے لیکن اچھا کرنے کے لئے پہلے اچھا بھی تو بننا پڑے گا نا! اتنا اچھا بننا پڑے گا کہ آپ کے کردار کی اچھائیوں کے بارے میں اپنے اور بیگانے سب گواہی دیں کہ ہاں یہ ایک اچھا انسان ہے۔ وہ شخص جو اللہ اور رسول کے احکامات پر عمل نہیں کرتا کفر کرتے ہوئے شہروں میں فساد پھیلاتا ہے، جہاں جاتا ہے، جہاں رہتا ہے، اس جگہ کو جہنم بنا دیتا ہے۔ کافر دنیا کو جہنم بنا دیتا ہے جبکہ مومن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جہاں جاتا ہے، جہاں رہتا ہے، وہ جگہ جنت بن جاتی ہے۔ مومن اپنی جنت اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ اس نور کو اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے جو قرآن کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ اپنے راستے کو بھی روشن رکھتا ہے اور جو اس کے ساتھ چلنا چاہیں ان کو بھی ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کی اپنی دنیا میں اسے حیاتِ طیبہ حاصل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کے گھر والے اور پڑوسی چین اور سکون سے رہتے ہیں۔ مومن کی شخصیت باغ و بہار ہوتی ہے اپنی ذات میں انجمن ہوتا ہے، لوگ اپنے پاس بٹھا کر اپنے دکھ سکھ اور اپنا حال دل سنانے کے لیے اس کے انتظار میں گویا یہ سوچتے رہتے ہیں کہ:

تو آئے تو لگتا ہے اپنی بھی سحر ہو گی　　انداز ہیں سب تیرے سورج کی کرن والے

اے مومنو! ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے، تم اپنے ایمان کا ثبوت اپنے عمل سے پیش کرو، ایسا کبھی نہ کرو کہ زبان سے بڑے بڑے دعوے کرو اور انہیں عملاً پورا کر کے نہ دکھاؤ، جو کچھ زبان سے کہو اسے عمل سے پورا کر کے دکھاؤ، قول و فعل میں ہم آہنگی ایمان کے دعوے کی صداقت کا ثبوت ہے، اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں، اللہ کے نزدیک یہ بات قابل مذمت اور قابل گرفت ہے کہ ایسی باتیں کی جائیں جنہیں کر کے نہ دکھایا جائے۔ (اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خالی باتیں کرتے ہیں بلکہ) اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے (جو وقت پڑنے پر) سربکف میدان جنگ میں نکل آتے ہیں۔ (الصّف: 4-2)

☆.....☆.....☆

انسان کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ جس چیز کو وہ صحیح سمجھتا ہے اُس کے خلاف عمل کرے۔

(علامہ پرویزؒ)

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورہ الصٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورۃ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	400/-	سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	500/-	28 واں پارہ (مکمل)	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم			
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاودنامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25-بی، گلبرگ 2، لاہور فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

کاشف راز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مردِ مومن کی خوبیاں

مومن کی بہت ساری خوبیوں میں سے چند خوبیاں ملاحظہ فرمائیے۔ مومن کی شخصیت میں ان خوبیوں کو موجود ہونا چاہیے۔ یہ ہم ان نوجوان دوستوں کے لیے بھی لکھ رہے ہیں جن میں کچھ اچھا کر گزرنے کی آرزو ہے۔ اچھا کرنے کے لئے اچھا بننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ الانفال کی آیات مبارکہ 66-65 میں فرمایا ہے: (مفہوم پڑھئے)

اے رسول! تو اپنے عملی پروگرام کے ذریعے، اپنی جماعت کی کمیوں اور کمزوریوں کو رفع کرتا رہ تا کہ یہ جہاد زندگی میں مردانہ وار حصہ لینے کے قابل ہو جائیں۔ اس سے ان میں ایسی توانائی پیدا ہو جائے گی کہ اگر تم میں بیس سپاہی ثابت قدمی دکھائیں گے تو وہ مخالفین کے دو سو سپاہیوں پر غالب آ جائیں گے اور اگر ایک سو ایسے جانباز ہوں گے تو وہ فریق مقابل کے ایک ہزار پر غالب آ جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ تمہارے مخالفین، عقل و فکر سے کام لینے کے بجائے انتقام اور نفرت کے جذبات سے اندھے ہو کر میدانِ جنگ میں آتے ہیں اور کامیابی کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ لڑنے والے سمجھ اور سوچ سے کام لیں۔ لیکن یہ ایک اور دس کی نسبت (یعنی ایک سو کا ایک ہزار پر غلبہ حاصل کر لینا) اُسی صورت میں ہے جب کمی، تعداد کے اعتبار سے ہو۔ سامانِ حرب و ضرب میں تمہاری اور دشمن کی پوزیشن یکساں ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ اِس وقت پوزیشن ایسی نہیں۔ تم تعداد میں بھی کم ہو اور سامان کی بھی بڑی قلت ہے۔ اس لیے اس وقت نسبت صرف ایک اور دو کی ہوگی۔ اگر تم میں ایک سو سپاہی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے اگر ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر فتح پا لیں گے۔ یہ سب خدا کے اس قانون کی رُو سے ہوگا جس کی تائید اُن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو ثبات اور استقامت سے کام لیتے ہیں۔

اوپر لکھے ہوئے مفہوم کو ایک مرتبہ اور پڑھئے، اللہ تعالیٰ بندہء مومن کو اعلیٰ قسم کا جانباز اور بہادر اور عملی انسان بنانا چاہتا ہے، اتنا طاقتور کہ فقط ایک مومن دس کافروں اور مخالفوں کو مار بھگائے۔ اللہ اپنے مومن بندوں کو ہیرو کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے، آپ کو پتا ہوگا کہ ایک ہیرو، ولن سمیت دس دس دشمنوں کو مار پیٹ کر بھگا دیتا ہے۔ جنگ بدر کی تاریخ آپ کو یاد ہی ہوگی جہاں 313 مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کوئی ایک ہزار کفار کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ لوگ سچے اور پکے مومن تھے۔ جب انسان مومن بن جاتا ہے تو پھر مومنوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ (الروم: 47) اسلام ننگے بھوکوں اور لاغر و کمزور انسانوں کی فوج پیدا کرنے کے لئے نہیں ہے، اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اسلام بہادروں اور غیرت مندوں کا دین ہے، دین اسلام پر چلنے والے ایک ایک فرد کو اللہ تعالیٰ سپر مین Superman بنانا چاہتا ہے۔

قرآن کریم میں مومنوں کی بیسیوں خوبیاں بیان کی گئی ہیں ان میں سے چند خوبیاں جو نیچے لکھی جارہی ہیں اگر ہمارے کردار میں آجائیں اور جس کی جھلک عملی زندگی میں ہمارے طور طریقوں میں بھی نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے معیار کے مطابق ہم سچے اور پکے مومن بنتے جارہے ہیں۔

1۔ایمان اور اس کا نتیجہ بے خوف اور بہادرانہ زندگی ہے۔یعنی مومن بے خوف ہوکر زندگی گزارتے ہیں۔(الاحقاف:13)

2۔رسول پر ایمان لانا اور رسولوں کے مشن کو آگے بڑھانا مومنوں کا شعار ہے۔ (الفتح:9-8)

3۔جو کچھ زبان سے کہتے ہیں اسے کر کے دکھانے والے۔ (الصّف:3-2)

4۔اچھے کاموں میں آگے بڑھنے والے۔ (المومنون:61-57)

5۔اپنی چال ڈھال اور بات چیت میں اعتدال رکھنے والے۔ (لقمان:19)

6۔لوگوں کے ساتھ اچھے انداز میں بات کرتے ہیں بے رخی اور اوچھے پن سے بات نہیں کرتے۔ (لقمان:18)

7۔ایک دوسرے کے ساتھ نرم دل اور غم گسار۔ (الفتح:29)

8۔انسانوں سے درگزر کرنے والے(الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ) (اٰلِ عمران : 134)

9۔غصے کی حالت میں بھی جوش اور طیش میں نہیں آتے' معاف کردیتے ہیں۔ (الشوریٰ:37)

10۔برائی کے بڑے کام (كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ) اور فحاشی سے بچنے والے۔ (الشوریٰ:37،النجم:32)

11۔کبھی غلطی ہوجائے تو فوراً اللہ کے حکم پر نظر ثانی کرنے والے۔ذکر کرنے والے،اللہ کی کتاب،قرآن کو بطور ذکر، یاددہانی MEMORANDUM اپنے سامنے رکھنے والے۔ (اٰلِ عمران: 135)

12۔مومن جب تک خود کسی بات کی تحقیق وتفتیش نہ کرلے کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتا۔ (بنی اسرائیل:36)

13۔مومن،بہترین قوم کے بہترین افراد ہیں جن کو عوام کی فلاح وبہبود کے لئے پیدا کیا گیا۔ (البقرہ:143،اٰلِ عمران:110)

14۔حق کا راستہ بتانے والے اور حق کے ساتھ عدل کرنے والے۔ (الاعراف:181)

15۔قانون کے معاملے میں کسی سے نرمی نہ برتنے والے۔ (النور:2)

16۔مومن آپس میں اختلاف نہیں رکھتے۔ (وہ اس لئے کہ ایمان سے اختلافات ختم ہوجاتے ہیں اور تمام انسان مومن ہونے کی وجہ سے ایک امت یعنی امت واحدہ بن کر رہتے ہیں) (البقرہ:213)

17۔مومن فرقے نہیں بناتے۔ وہ جانتے ہیں کہ فرقہ بندی شرک ہے اور شرک ناقابل معافی جرم ہے۔ (الروم:31،النساء:116) ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی قرآن کو پکڑ لو۔فرقہ بازی ایمان کے خلاف ہے۔فرقہ بندی ایمان کی ضد ہے۔ (اٰلِ عمران:103-102)

18۔اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات سے مومنوں کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ (الانفال:2،الحج35)

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی نظام کے قیام سے مقاصد عالیہ حاصل ہوتے ہیں

میں آپ سے محوِ گفتگو ہوں اور بار بار میرے ہاتھ، میرے پاؤں، میری آنکھ، میری روح، میری جان ذکر کرتا ہوں۔ جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ میں اپنی ان چیزوں کو جس شے کی طرف نسبت دے رہا ہوں۔ وہ شے میرے جسم کے علاوہ کوئی اور شے ہے۔ مجھے اطلاع ملتی ہے کہ مجھے اپنے محکمہ میں ترقی مل گئی ہے جس سے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ میرے ایک قریبی دوست کی وفات ہوگئی ہے تو مجھے اس سے بہت رنج ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات رنج، حسد، لالچ وغیرہ کی کیفیات لوگوں پر غالب آجاتی ہیں۔ اس میں سے کسی شے کا تعلق میرے جسم سے نہیں ہے۔ اپنی ترقی پر میں جب خوش ہوتا ہوں تو میرا ہاتھ، میرا پاؤں، میرا بازو، یہ خوشی محسوس نہیں کرتے بلکہ یہ ایک شے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے، وہ یہ خوشی محسوس کرتی ہے۔ دوست کے انتقال پر جب رنج ہوتا ہے تو یہ رنج میرے سر یا پیر کو نہیں ہوتا، یہ رنج اسی شے کو ہوتا ہے جو میرے ساتھ ہے۔ قرآن کریم نے اس شے کو لفظ نفس سے تعبیر کیا ہے ارشادِ عالی ہے وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (9-7:32)، خدا نے انسانی تخلیق کے سلسلے کی ابتداء بے جان مادے سے کی۔ پھر اسے مختلف ارتقائی منازل سے گزارتے ہوئے اس مقام پر لے آیا جہاں اس کی نسل کی افزائش سلسلہ تولید سے ہونے لگی۔ اس مقام تک انسان اور حیوان میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ پھر اس نے اس سے حشو وزوائد الگ کرکے اس میں خاص اعتدال پیدا کیا اور اپنی توانائی کا ایک شمہ ڈال دیا اور اس طرح تمہیں سماعت، بصارت اور قلب عطا کرکے، اس قابل بنا دیا کہ تم مختلف علوم حاصل کرسکو۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (9:32) لیکن تم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ یہ شے انسان کے سارے جسم میں ہوتی ہے۔ کوئی شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ انسان کا نفس اس کے سر میں ہے۔ یا اس کے پاؤں میں ہے لیکن ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ ہے لیکن ہر جگہ ہونے کے باوجود یہ تعین نہیں ہوسکتا کہ وہ جسم کے کس حصہ میں ہے۔ بعض اوقات کسی حادثہ کی وجہ سے ایک شخص کی ٹانگیں اور بازو کٹ جاتے ہیں پھر بھی اس کا نفس اس کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ جسم کے کٹ جانے کی وجہ سے اس کی اس شے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جسم کم ہوجائے اور اس کا یہ نفس بڑھتا جائے۔ ایک آدمی اگر حادثہ میں جسم کم ہونے کے بعد کوئی خطیر رقم اللہ کے دین کی مدد کے لئے دے دے، یا کسی فلاحی کام کے لئے دے دے تو اس کے نفس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ جسم کے بڑھ جانے یا کم ہوجانے سے نفس پر کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ یہاں تک کہ انسانی جسم کی موت آنے کے بعد بھی نفس انسانی زندہ رہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

یہ نکتہ سیکھا میں نے بو الحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے

دنیا کے ساتھ عجائبات میں سے ایک عجیب چیز HELEN KELLER بھی تھی۔ HELEN KELLER، نابینا، گراں گوش، اور گونگی تھیں۔ وہ نہ دیکھ سکتی تھیں، نہ سن سکتی تھیں اور نہ ہی بول سکتی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ جسمانی صلاحیتوں کی کمی کے باوجود ان کے نفس میں کوئی کمی نہیں تھی۔

قرآنِ کریم نے عقل، شعور اور قلب سب الفاظ کو چھوڑ کر انسان کی اس زندگی کے لئے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس نفس پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے جو فرد یا جو قوم اس نفس پر ایمان نہیں لاتی تو وہ انسانیت کے معیار پر ہی نہیں آتی جو فرد یا قوم اس نفس پر ایمان نہیں لاتی وہ حیوانیت کی سطح پر زندگی بسر کرتی ہے نہ اسے وحی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی مستقل اقدار کی۔ اسے دین کی بھی کوئی ضرورت نہیں جو انسان کو حیوانی سطح سے بلند کر کے انسانی سطح پر لاتا ہے۔ اس قوم کا تصورِ حیات ہی مادی ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کا تصورِ حیات نفس انسانی کی پرورش پر استوار ہوتا ہے۔

اسلامی نظام کی اساس انسانی ذات کے یقین پر ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد جسم انسانی کے ساتھ ساتھ اس ذات کی نشوونما کرنا بھی ہے۔ ذات اپنے سارے ارادے اور مقاصد جسم کے ذریعے بورے کرتی ہے۔ اس لئے جسم کی پرورش بھی ضروری ہوتی ہے لیکن اصل مقصود بالذات، ذات کی نشوونما کرتا ہوتا ہے۔ ذات کی نشوونما مستقل اقدار پر عمل کرنے اور صفاتِ خداوندی کو اپنے میں زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے سے ہوتی ہے۔ مستقل اقدار پر عمل اور صفاتِ خداوندی کو اپنے میں پیدا کرنے کا عمل، صرف اسلامی نظام میں ہی ہوسکتا ہے۔ غیر اسلامی نظام میں ان دونوں چیزوں پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے قرآن کی رُو سے اسلامی نظام قائم کرنا ضروری اور لازمی ہوتا ہے۔ اسی لئے اُمتِ مسلمہ کا 14 سو سال سے اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلامی نظام کا قائم کرنا ہر فرد پر واجب ہے اور جو شخص اسلامی نظام کے قیام کی فرضیت اور اس کے وجود سے انکار کرتا ہے، وہ کافر، ظالم اور فاسق ہوتا ہے (5:44، 5:45، 5:47) اس تمہید کے بعد اب ہم اصل مضمون کی ابتداء کرتے ہیں۔

نزولِ قرآن کے وقت چاروں طرف روح انسانی کا تصور پھیلا ہوا تھا۔ اس وقت سے لے کر اس موجودہ دور تک روح انسانی کا تصور ہی عام ہے۔ ہر جگہ ہر مذہب میں روحانیت کا دور دورہ ہے۔ روحِ انسانی ہی ہر مذہب کی بنیاد ہے۔ مغربی ممالک میں Progressive حلقوں میں بھی ''Spirituality'' پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ ہمارے مشرقی ممالک بھی تصوّف و یدانت اور روحانیت کو اہم مقام دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں روح کا لفظ بیس (20) مرتبہ آیا ہے۔ لیکن روحانیت کا لفظ ایک مرتبہ بھی نہیں آیا۔ روح کا لفظ 17 مقامات پر وحی، وحی لانے والا، وحی پانے والا کے معنوں میں آیا ہے۔ البتہ تین مقامات پر یہ لفظ نفخ روح کے معنی میں آیا ہے (15:25، 38:72، 32:9) کہ ہم نے انسان کو ایک صلاحیت عنایت فرمائی ہے۔ قرآنِ کریم کی رو سے زندگی The Life ہزاروں، لاکھوں سال میں آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہوئی، جمادات، نباتات کی

منازل طے کر کے حیوانیت کی سطح پر پہنچی۔ زندگی جب حیوانیت کی سطح سے بلند ہوئی اور اس کو اگلی منزل میں داخل ہونا پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف سے ایک توانائی عنایت فرمائی جس کو قرآنِ کریم نے روح کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ قرآنِ کریم کا اعجاز یہ ہے کہ جب تک یہ توانائی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے تو یہ روحِ خداوندی کہی جاتی ہے اور جب یہ توانائی نوعِ انسانی کو، بطور ایک نوع کے ملتی ہے تو قرآنِ کریم اس کو نفس کے لفظ سے تعبیر کرنے لگ جاتا ہے۔ توانائی تو یہ ایک ہی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ جب یہ توانائی انسانیت کو بہ حیثیت ایک نوع کے ملتی ہے تو یہ نفس کے لفظ سے موسوم ہونے لگ جاتی ہے اور یہ توانائی ہی انسانیت کو حیوانیت سے ممتاز کرتی ہے۔ عام طور پر لوگ انسان کو ''جسم اور روح'' کا مرکب سمجھتے ہیں لیکن قرآنِ کریم کی رُو سے انسان ''جسم اور نفس'' کا مرکب ہے۔ قرآنِ کریم روحِ خداوندی کا تو قائل ہے لیکن قرآن روحِ انسانی کا قائل نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن نے روح کی تربیت کے کوئی اصول نہیں بتائے اور نہ ہی اس کے تزکیہ کا کہیں حکم دیا ہے۔ قرآنِ کریم نے جو روح اور نفس میں امتیاز کیا ہے یہ اس کا ایک بڑا اعجاز ہے۔ اس مضمون میں آگے چل کر آپ کو اس کا اندازہ ہوگا۔

قرآنِ کریم نے روح اور نفس میں جو امتیاز کیا ہے وہ اس کا اعجاز ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ، تو یہ فرق سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ غضب یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بھی اس فرق کو Detect نہیں کیا اور اس فرق کو نہ بھانپنا ہی ان کے زوال کا سبب بنا۔ چودہ سو سال اسی طرح گزر گئے لیکن ہمارے علماء نے اس فرق کو اہمیت ہی نہیں دی۔ تحریک طلوع اسلام وہ واحد تحریک ہے جس نے اس فرق کو محسوس کیا۔ جو قوم روحانیت کی قائل ہوگی وہ ہمیشہ زوال پذیر رہے گی کیونکہ روحانیین نے روح کو مادہ کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ ان کے خیال میں مادی ترقی روح کی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ان کے خیال میں یا روح میں ترقی ہوسکتی ہے یا مادی کائنات میں۔ پھر یہ روحانیین اس کائنات کے وجود کے ہی قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کا تو کوئی وجود ہی نہیں ہے غالب کا صرف ایک شعر ہی ان کے تمام نظریات کو Sum-up کر دیتا ہے اس نے کہا:

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

نیز کہا۔

ہاں کھائیو مت فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

اس پر مستزاد یہ کہ یہ حضرات حواس سے حاصل کردہ علم کو علم شمار ہی نہیں کرتے۔ یہ حضرات صرف اس علم کو علم تسلیم کرتے ہیں جو باطنی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے علم صرف اس کو گردانا ہے جو سماعت، بصارت اور فواد سے کام لینے کے بعد حاصل کیا گیا ہو (17:26) آپ خود غور فرمائیں جس قوم کے یہ نظریات ہوں وہ کس درجہ پست حالت میں جاسکتی ہے۔ روح کی ترقی پرستش کے ذریعے ہوتی ہے۔ نوافل، وظائف روح کی پرورش کے ذرائع ہیں۔ یہ رسومات پرستش ہر جگہ ادا کی جاسکتی ہیں۔ ان رسومات کے ادا کرنے میں کسی نظام کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے ذہن سے اسلامی نظام کا تصور ہی محو ہو گیا۔ اسلامی نظام مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ اسلامی نظام اس لئے قائم کیا جاتا ہے کہ چونکہ اس

نظام میں اللہ کے قوانین واحکامات جاری ہوتے ہیں اس لئے ان کی اطاعت سے نفس انسانی میں توسیع ہوتی ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (2:286) خدا جو تم پر یہ حدود عائد کرتا ہے تو یہ اس لئے عائد کرتا ہے کہ اس سے تمہاری ذات میں وسعت پیدا ہوتی ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ (2:286) ذات کے متعلق قرآنِ کریم نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جو غلط عمل ہوتا ہے اس کا نقصان بھی اسے ہی بھگتنا پڑتا ہے اور جو درست عمل کرتا ہے اس کا فائدہ بھی اسے ہی ہوتا ہے۔

مذہب کی بنیاد روح پر ہوتی ہے اور روح کی پرورش پرستش سے ہوتی ہے۔ اس لئے مذہب زدہ لوگوں کو نہ تو اسلامی نظام کی ضرورت ہوتی ہے، اور نہ ہی پرستش کے ذریعے اطاعتِ خداوندی ہوتی ہے۔ یہ حضرات پرستش اور اطاعت کے درمیان فرق کو نہیں سمجھتے۔ پرستش ہر جگہ ہوسکتی ہے اسے کسی نظام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دین کی بنیاد نفس پر ہوتی ہے۔ نفس کی تربیت میں پرستش کا دخل نہیں ہوتا۔ نفس کی پرورش اطاعت خداوندی کے ذریعے ہوتی ہے اور اطاعت خداوندی صرف اسلامی نظام میں ہوسکتی ہے۔ جہاں اللہ کے قوانین نافذ ہوتے ہیں اس لئے اسلامی نظام قائم کرنا ضروری ہے کہ صرف اور صرف اس نظام میں رہ کر نفس کی نشوونما ہوسکتی ہے۔ چونکہ نفس کی پرورش کرنا زندگی کا مقصد ہے اس لئے اسلامی نظام کی اہمیت کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ اسلامی نظام کی اطاعت ہی عبادتِ خداوندی ہوتی ہے۔

حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ جو حضرات یا جو تحریکات اس وقت بھی اقامت دین کے لئے اُٹھی ہیں وہ بھی روح اور روحانیت اور پرستش کے قائل ہیں تشیع میں اسلامی نظام کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہاں کے علماء نے ایران میں اسلامی حکومت قائم کردی تھی۔ مزید حیرت وتحیر اس بات پر ہوتی ہے کہ علماء ایران اسلامی حکومت قائم کرنے کے باوجود پرستش کے قائل بھی رہے اور پرستش کرتے بھی رہے۔ مصر میں اخوان المسلمون اور ہمارے ملک عزیز پاکستان میں جماعت اسلامی اور ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی تنظیم اسلامی دونوں اقامت دین کی داعی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے وہ لوگ بھی پرستش کے قائل ہیں۔ مسلمان جب تک روحِ روحانیت اور پرستش کے قائل رہیں گے نہ اسلامی نظام قائم کرسکیں گے، نہ اطاعتِ خداوندی سے مالا مال ہوسکیں گے اور نہ ہی اس دنیا میں ترقی کرسکیں گے۔ مسلمانوں کو اپنے زوال کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی نظام قائم کریں اور اسلامی نظام کی اطاعت کو ہی عبادتِ خداوندی شمار کریں اگر آپ اسلامی نظام کی اطاعت کو عبادتِ خداوندی نہیں سمجھتے بلکہ اس نظام میں رہتے ہوئے بھی اس نظام کی اطاعت کو عبادت سمجھنے کے بجائے صرف پرستش کی رسومات کو عبادتِ خداوندی سمجھتے رہیں گے تو اس طرح اوّل تو یہ نظام قائم ہی نہیں ہوسکتا اور اگر قائم ہوگیا تو یہ جاری نہیں رہ سکے گا۔ اسلامی نظام کے قوانین کی اطاعت عبادتِ خداوندی ہوتی ہے۔ جب آپ اسلامی نظام کے واجبات Revenues اور اس کے Taxes ادا کرتے ہیں تو اس کی ادائیگی خود عبادت خداوندی ہوتی ہے اسلامی نظام میں بجلی، سوئی گیس، ٹیلی فون، پانی کے بل ادا کرنا عبادتِ خداوندی ہوتی ہے اسلامی نظام کی عدالتوں کے فیصلے تسلیم کرنا اور ان

کی اطاعت کرنا عبادتِ خداوندی ہوتی ہے۔ اسلامی نظام کی ساری عدالتیں قرآنی عدالتیں ہوتی ہیں اس میں فرقہ وارانہ شریعتی عدالتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ مذہب کا تصور ہے۔ یہ عدالتیں وہ لوگ قائم کرتے ہیں جو مذہب کو دین بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآنی نظام کی ساری عدالتیں، تحصلیں، تھانے، سب مساجد اللہ ہوتے ہیں کیونکہ یہاں سے قوانین خداوندی جاری ہوتے ہیں۔ اس نظام کے سارے SYMBOLS شعائر اللہ ہوتے ہیں۔ اس نظام کا جھنڈا Flag، کرنسی، پاسپورٹ، ویزا، شعائر اللہ ہوتے ہیں۔ اس نظام کے افسران حاملین عرش الٰہی کہلاتے ہیں (39:75)

ہمارے ہاں یہ نظریہ عام طور پر مروج ہے کہ ہندوستان میں اولیاء کرام نے اسلام کی بڑی تبلیغ کی اور لاکھوں ہندوؤں کو مسلمان بنالیا۔ اس سلسلہ میں اولیاء اللہ کی بڑی تعریف کی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ صوفیاء کرام اپنے دور کے بادشاہوں کو دین کا راستہ دکھا دیتے اور اُنہیں اقامت دین کے لئے مجبور کرتے، تو آج سارے کا سارا ہندوستان مسلمان ہوتا۔ اگر کہیں قرآنی نظام قائم ہوجاتا ہے تو دوسرے نظام اس نظام کے سامنے برف کی طرح پگھلنے لگتے ہیں۔ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۙ (110:2)، کیا تم نے دیکھا کہ لوگ اس دین میں فوج درفوج داخل ہورہے ہیں۔ خودفوج کے لفظ میں کثرت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے اور اس لفظ میں تیزی بھی شامل ہوتی ہے۔ پورے ہندوستان میں اگر ایک جگہ بھی اس دور کا مسلمان بادشاہ دین قائم کردیتا۔ تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ دوسرا ہوتا۔ لیکن اس میں بادشاہوں کا قصور نہیں کیونکہ ان علماء نے اُنہیں دین کا راستہ ہی نہیں بتایا۔ دین کا تصور خود ان علماء کے سامنے نہیں تھا وہ خود سب روحانیت زدہ اور تصوّف کے قائل ہوتے تھے۔

اولیاء لفظ ولی کی جمع ہے اور ولی کے معنی دوست کے ہوتے ہیں ارشادِ عالی ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ (60:1) ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ اس آیت میں مسلمانوں کے دشمن تو ظاہر ہے اسرائیل اور بھارت ہیں، مگر اللہ کا دشمن کون ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا دشمن وہ ہے جو اس کے دین کا دشمن ہے اور اس کی اقامت میں دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے اسی مضمون کو سورہ انفال میں دہرایا گیا ہے ارشاد ہوا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (8:60) ترجمہ: اے ایمان والو اور ان سے لڑائی کے واسطے قوت میں سے جو کچھ جمع کرسکو جمع کرلو اور پلے ہوئے گھوڑے تاکہ تم اس قوت سے اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر دھاک بٹھا سکو۔ اس آیت میں بھی مسلمانوں کے دشمن تو واضح ہیں کہ وہ کفار و مشرکین ہیں لیکن اللہ کے دشمن وہ ہیں جو نظامِ خداوندی کے دشمن ہیں۔ ان دونوں آیات سے واضح ہوگیا کہ جو لوگ اللہ کے دین کے دشمن ہیں وہ اللہ کے دشمن ہیں۔ جو لوگ اللہ کے دین کی مخالفت کرتے ہیں وہ اللہ کے دشمن ہیں۔ تو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں وہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے دین کے دوست ہیں اور اللہ کا دین قائم کرتے ہیں۔ قرآن کی نگاہ میں جو اقامتِ دین میں ایک رکاوٹ ہیں ان کی یہ عزت وتوقیر اور ان کا یہ بلند مقام مذہب زدہ، اور مذہب خوردہ لوگ ہی کرسکتے ہیں۔ دین کے سامنے تو ان کی پرِکاہ

عزت وتوقیر نہیں ہے۔

جس قدر عقلِ انسانی ترقی کر رہی ہے۔ دنیا میں اسی قدر دہشت گردی، تشدد، فساد، خوف وہراس بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ پہلے ایک آدمی لاٹھی سے ایک آدمی کو مار سکتا تھا۔ اب بم اور دوسرے ذرائع سے ایک آدمی آدھی دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔ البتہ اگر عقلِ انسانی وحی پر مبنی نظام کو قائم کرے تو ساری دنیا میں امن وامان قائم ہو سکتا ہے۔ آج انسان کو سب سے زیادہ امن کی تلاش ہے۔ لیکن امن ناپید اور عنقا بن گیا ہے۔ اس کا واحد علاج قرآنی نظام ہے۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ نظام دنیا کو پوری انسانیت کے لیے امن کا گہوارہ بنا سکتا ہے ارشادِ باری ہے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ (2:38) ترجمہ: وہ عقل جو اس سے بیشتر جذبات کے پیچھے چل رہی تھی اب خدا کی طرف سے دی ہوئی راہنمائی کے پیچھے چلے گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خوف وہراس بھی نہیں رہے گا اور اس قوم پر حزن بھی نہیں رہے گا۔ خوف خارج سے آنے والے خطرات سے ہوتا ہے اور حزن دل کے اندر پیدا ہونے والی بے چینی کو کہا جاتا ہے۔ خوف کسی واقعہ کے وجود پذیر ہونے سے پیشتر ہوتا ہے۔ حزن کسی MISHAP کے واقع ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ حزن خوف کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ سورہ نور میں اس سے ذرا زیادہ واضح طور پر اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کا نتیجہ اس دنیا میں اقتدار حاصل ہونا ہوتا ہے۔ جو قوم بھی اللہ پر ایمان لائے گی اور اعمال صالحہ سرانجام دے گی، تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس دنیا میں اقتدار عطا کر دے گا۔ اس قوم کو اقتدار ملنے کے بعد اس قوم میں بدامنی اور خوف کے بجائے امن وسکون پیدا ہو جائے گا وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (24:55) ترجمہ: اور اللہ ان کے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ آپ غور فرمائیں کہ اس نظام کے قیام کے بعد امن جیسی نعمت مل جاتی ہے اور اس سے بڑی نعمت اور کون سی ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کس چیز کا نتیجہ ہے۔ یہ اس نظام کے قائم ہونے کا نتیجہ ہے جو قرآن ہم کو عطا کرتا ہے۔

امن کے بعد دوسری اہم ترین چیز رزق اور رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔ کوئی فرد ہو یا کوئی قوم ہو، قوانین خداوندی اور اللہ کے عطا کردہ نظام کی خوشگواریاں اور اس کے ثمرات تو ہر کسی کے لئے ہر دور انسانیت میں برابر ہوں گے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ (5:66) فرمایا کہ اپنے اپنے وقت میں خدا کی جو صحیح تعلیم ان تک آتی رہی اور اگر یہ تورات وانجیل کا نظام قائم کرتے تو یہ اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے رزق کھاتے۔ یعنی یہ کہ ان کے معاشرہ میں رزق کی خوب فراہمی ہوتی مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ (5:66) کی تشریح دوسرے مقام (7:96) میں ان الفاظ میں کر دی کہ: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (7:96) تو ان پر سماوارض کی برکات کے دروازے کھل جاتے۔ یعنی اس نظام میں ارض کی برکات بھی ملتی ہیں اور سماء کی برکات بھی ملتی ہیں۔ یعنی یہ نظام انسان کی جسمانی زندگی کی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے اور اس کے علاوہ انسانیت کی جو ضروریات اور اس کے تقاضے ہیں ان کو بھی پورا کرتا ہے۔

تورات اور انجیل کے نظام کی طرح قرآنی نظام کی بھی یہی کیفیت ہے فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (11:6) ترجمہ: زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ آسمان پر روٹیاں پکوا کر پھینکوا دیتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ نہیں ہے اس نے فرمایا یہ رزق کا سامان تو انسان کے پیدا ہونے سے پیشتر مہیا کر دیا گیا تھا۔ سارا مسئلہ تقسیم رزق کا ہے جو نظام کے ذریعے ہوتا ہے۔ قرآنی نظام قائم ہی ان خطوط پر کیا جاتا ہے کہ جس میں ہر شخص کو رزق ملتا رہتا ہے اور کوئی شخص اس میں رزق سے محروم نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے یہی فرمایا تھا کہ اگر عمر کی مملکت میں فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمر سے اس کی باز پرس ہوگی کیونکہ خدا نے دابہ کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں ہر چلنے والا شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر کسی بستی میں ایک شخص رات بھر بھوکا سویا، تو اس پوری بستی سے اس مملکت کی اطاعت مرفوع ہو جاتی ہے۔

قرآنِ کریم نے فرمایا کہ کوئی آئیڈلوجی تقسیم نہیں ہونی چاہئے۔ اس پر مجموعی طور اور کُلی طور پر عمل کیا جاتا ہے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (2:208) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ (2:85) ترجمہ: کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لائے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ سنو تم جو یہ کام کرتے ہو اس کی سزا کوئی نہیں سوائے دنیا میں رسوائی کے۔ قرآنِ کریم نے معاشیات کے جو اصول دیئے ہیں ساتھ ساتھ ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ رزق کی صحیح تقسیم ہو سکے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ زمین تمام پیداوار کا بنیادی ذریعہ ہے اس لئے زمین کی انفرادی ملکیت جائز نہیں ہے۔ ارشادِ عالی ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (15:20) ہم نے زمین کے اندر تمہارا رزق رکھا ہے۔ ہم نے اس سامان معیشت کو تمام نوع انسانی نے کے لئے رکھا ہے۔ مزید ارشاد ہوا وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ (55:10) اس نے زمین لوگوں کے لئے بنائی۔ اس موضوع کے متعلق اس قدر آیات ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے لیکن ایک عقلی دلیل ہے کہ زمین پہلے وجود میں آئی، اور انسان اس کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوا ہے۔ انسان سے پیشتر یہ کس کی ملکیت تھی۔ جو لوگ طاقت اور قوۃ رکھتے ہیں انہوں نے اپنی طاقت کے مطابق زمین پر قبضہ کر لیا اس سے ان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے (2:119) اور تجھ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ کہہ دے جو اپنی ضروریات سے بچے۔ اس ایک لفظ میں اسلام کا سارا معاشی نظام آ جاتا ہے۔ جس پر اب کتابیں تحریر کی جا رہی ہے۔ اسلام کا معاشی نظام ایک طویل مضمون ہے جس پر بہت تحریر کیا جا چکا ہے۔ یہ مضمون طویل بھی ہو گیا اور اس کے موضوع میں یہ نہیں ہے۔ لیکن اس موضوع پر الگ مضمون پیش کر دیا جائے گا۔

مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق
ذاتی مشیر، منفرد مفکرِ قرآن و بانی تحریک طلوعِ اسلام اور تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ

علامہ غلام احمد پرویز کی تصنیفات 2022

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)		3500
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلد۔ دو جلدوں میں)		4000
لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)	Out Of Print	
تبویب القرآن (مجلّد)		4000
مطالب الفرقان (مکمل سیٹ ـــــ سورہ فاتحہ تا سورہ الحجر)		
مطالب الفرقان (جلد اول)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد دوم)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد سوم)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد چہارم)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد پنجم)	*	1200
مطالب الفرقان (جلد ششم)	600	*
مطالب الفرقان (جلد ہفتم)	Out Of Print	
من و یزداں (اللہ کا صحیح تصور)	600	*
اِبلیس و آدم	600	1200
جُوئے نور	600	*
برقِ طور (داستانِ حضرت موسیٰؑ)	600	1200
شعلۂ مستور (حضرت عیسیٰؑ کی داستان)	*	1200
معراجِ انسانیت (سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ)	700	1400

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں	500	1000
انسان نے کیا سوچا؟	600	1200
اِسلام کیا ہے؟	500	1000
کتاب التقدیر	600	1200
جہانِ فردا (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	*	1200
شاہکارِ رسالت (سیرتِ فاروقِ اعظمؓ)	700	1400
نظامِ ربوبیت (قرآن کا معاشی نظام)	600	1200
تصوف کی حقیقت	600	1200
قرآنی قوانین	500	1000
سلیم کے نام خطوط (جلد اول)	500	1000
سلیم کے نام خطوط (جلد دوم)	*	1000
سلیم کے نام خطوط (جلد سوم)	*	1000
طاہرہ کے نام خطوط	500	1000
ختمِ نبوت اور تحریکِ ''احمدیت''	400	800
حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (قائدِ اعظمؒ)	*	400
اقبالؒ اور قرآن (اول۔ دوم)	600	1200
مجلس اقبالؒ۔ اول (شرح مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی)	600	1200
مجلس اقبالؒ۔ دوم (شرح مثنوی پس چہ باید کرد...)	Out Of Print	
قائدِ اعظمؒ کے تصور کا پاکستان (مجموعۂ مقالات و خطبات)	500	*
بہارِ نو (مجموعۂ مقالات و خطبات)	500	1000

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
ISLAM: A Challenge to Religion	600	1200
Exposition of the Holy Quran	*	4000
The Book Of Destiny	600	1200
Reasons for Decline of Muslims	*	600
Islamic Way of Living	300	600
Letters to Tahira	*	1000
Quranic Laws	*	1000
The Quranic System of Sustenance	*	1000
Did Quaid-e-Azam Want to Make Pakistan a Secular State?	*	400
اسلامی معاشرت (روزمرہ کے متعلق قرآنی احکام وہدایات)	250	600
اسبابِ زوالِ امت	200	600
جہاد (جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کے احکامات)	*	400
خدااور سرمایہ دار (مجموعہ مقالات وخطبات)	400	800
سلسبیل (مجموعہ مقالات وخطبات)	500	1000
فردوسِ گم گشتہ (مجموعہ مقالات وخطبات)	500	*

متفرق کتب

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مقامِ حدیث	500	1000
قرآنی فیصلے (جلد اول)	600	*
قرآنی فیصلے (جلد دوم)	600	1200
قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	*	400
مزاج شناسِ رسول	400	800
تحریکِ پاکستان کے گم گشتہ حقائق	Out Of Print	
The Best Of A.S.K. Joommal	*	1000
The Pakistan Idea	*	500
Woman - Recreated	*	500
The Bible - Word of God or Word of Man	*	600
The Holy Quran and our Daily Life	*	600

کتابیں ملنے کا پتہ

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ
آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
25 بی، گلبرگ 2، لاہور
فون نمبر: 35753666
tolueislam@gmail.com

ان قیمتوں میں ڈاک خرچ اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہیں۔

The Human Self and Allah

Episode No. 6

By G. A. Parwez
(Translated by: Dr. Ejaz Rasool)

About the messenger Ilyas:

Will you call upon Bal[1] (Ilaah) and forsake the Best of Creators – Allah, your Sustainer and Cherisher, And the Sustainer and Cherisher of your fathers of old? (37:125-126)

Towards the end of his lifeJacob also took this pledge from his offspring.The Quran states:

Were you witnesses when death appeared before Jacob? Behold, he said to his sons: 'What will you follow after me? They said: 'We shall follow your Ilaah and the Ilaah of your fathers - of Abraham, Ismail and Isaac – the one (True) Ilaah to Him we bow (in Islam)'. (2:133)

And about the messenger *DhualNun* (Jonah of the fish):

And remember Dhu al Nunwhen he departed in wrath: he imagined that We had no power over him! But he cried through the depths of darkness: 'There is no Ilaah but You: Glory to You: I was indeed wrong!' (21:87)

Moses also said the same to his people when they petitionedhim for an idol to be carvedfor them for worship:

He said: 'Shall I seek for you an Ilaahother than the (true) Allah, when it is Allah Who has endowed you with gifts above other nations?' (7:140)

This was because at the Divine Station of*Tur*he (Moses) was entrusted with this same commandment:

'Verily, I am Allah: There is no Ilaah but I: So serve you Me (only) and establish

[1] *Bal* – this was the name of a deity. (Ed)

Salat to celebrate My message. (20:14)

This was also the teaching of Jesus which he will affirm in front of Allah:

> And behold! Allah will say: 'O Jesus the son of Mary! Did you say unto men, ' Follow me and my mother as Ilaahsin derogation of Allah?'He will say: 'Glory to You! Never could I say what I had no right (to say). Had I said such a thing, You would indeed have known it…For You know in full all that is hidden'. (5:116)

2.3 The Teaching of the Quran

This same teaching, protected and preserved in complete form,was passed onto the whole of mankind via Rasul-ullah.[1] The Quran states:

> …'Can you possibly bear witness that besides Allah there is another Ilaah?' Say: 'No, I cannot bear witness!' Say: 'But in truth He is the Ilaah, and I truly am innocent of (your shirk of) joining others with Him. (6:19)

In Surah *At-Tauba* it is stated:

> But if they turn away, say: 'Allah suffices me; there is no Ilaah but He, on Him is my trust. He is the Sustainer of the Throne Supreme'. (9:129)

In Surah *Ra'ad*:

> …Say:'He is my Sustainer!There is no Ilaah but Him! On Him is my trust, and to Him do I return!' (13:30)

This teaching was revealed via *Wahi* (revelation):

> Say: 'What has come to me by Wahi is that, your Ilaah is one Ilaah: Will you therefore bow to His Will (follow His laws)?' (21:108)

The same *Wahi* is referred to in another verse as follows:
Say you: 'I am but a man like you:It is revealed to me by inspiration (through Wahi), that your Ilaah is one Ilaah…'(41:6)

---

[1] Rasul-ullah – the last messenger o Allah, Muhammad (PBUH). (Ed)

Then it is stated:

Say: 'Truly am I a warner, no Ilaah is there but the one Allah, Supreme and Irresistible'. (38:65)

Emphasis is placed on this same teaching by the following words:

Know, therefore, that there is no Ilaah but Allah…(47:19)

In another verse it is stated:

Allah! There is no Ilaah but He: and on Allah, therefore, let the Momineen (believers) put their trust. (64:13)

This was mention of the messengers individually. Collectively, it is stated:

Not a messenger did We send before you without this Wahi sent by Us to him: that there is no Ilaah but I: therefore follow and serve Me. (21:25)

This is that teaching whose source is the Divine guidance. Whatever errors occurred in this teaching, they were all the created machinations of the human mind. Allah Himself is a witness on the established evidence-basedtruth of this teaching, His angels (forces) are a witness, and those learned scholars are a witness who establish a system of justice in the world:

There is no Ilaah but He: that is the witness of Allah, His Malaika and those endued with knowledge, standing firm on justice. There is no Ilaah but He the exalted in Power, the Wise. (3:18)

The pristine concept of the true*Ilaah* is found within the Quran:

And your Ilaah is One Ilaah: there is no Ilaah but He, Rehman and Raheem.[1] (2:163)

---

[1] *Rehman and Raheem* – both these terms have a common root *Rehm* (*R-H-M*) which has basic meanings of softness, provision of means of protection and cover. It is related to sources of sustenance and nourishment. *Rehm* also means a mother's womb which provides nourishment without any recompense to a child. For further details see *Lughat-ul-Quran*, Vol. 1, p. 548. (Ed)

That *Ilaah* about Whom it is declared:

Allah is He, other than Whom there is no Ilaah, Who knows (all things) both secret and open, He is Rehman and Raheem. Allah is He, other than Whom there is no Ilaah, the Sovereign, the Quddus,[1] the source of peace (and perfection), the Providerof peace, the Preserver of safety, the Exalted in might, the Irresistible, the Supreme. Glory to Allah! Beyond is He above the partners they ascribe to Him. He is Allah, the Creator, the Evolver, the Bestower of Forms, to Him belong the most balancedattributes, whatever is in the heavens and the earth do follow His laws and He is the exalted in might, the Wise. (59:22-24)

He is that *Ilaah* whose attributes are the following:

Allah! There is no Ilaah but he – the Living, the Self-subsisting, Eternal. No slumber can seize Him nor sleep. His are all things in the heavens and on earth. Who is there that can intercede in His presence except as he permits (as per His Law)? He knows what (appears to His creatures as) before or after or behind them. Nor shall they compass aught of His knowledge except as He wills (per His Law). His Knowledge and Sovereignty extends over the heavens and the earth, and He feels no fatigue in guarding and preserving them.For He is the Most High, the Supreme. (2:255)

Man makes as his god the one whom he believes to be the possessor of some authority and power. And the Quran uproots from its foundationeven the very concept of this, that other than Allah anyone else possesses any authority and power at a fundamental level. Therefore, when no-one elseother than Allaheven possesses any authority and power, then how can there be any god (*Ilaah*) other than Him? The Quran states:

Say: 'Think you, if Allah took away your hearing and your sight, and sealed up your hearts, who – an Ilaah other than Allah – could restore them to you?' See how We explain the signs by various symbols, yet they turn aside. (6:46)

At this point in time we have only briefly mentioned a few attributes of the true *Ilaah*. Since detailed explanationsof all the attributes of Allah will be given in the

---

[1] *Quddus* – means someone being free from all kinds of faults and blemishes; an attribute of Allah. The root is *Q-D-S*. See *Lughat-ul-Quran*, Vol. 2, p 337. (Ed)

following pages, it istherefore not necessary to go into these details in this chapter. At this stage it is also essential to make this much clear, that thetrue*Ilaah* of the Quran is the *Ilaah* of the whole of mankind:

The Ilaah of mankind. (114:3)

He is the One Allah of everyone, irrespective of colour, race, nation, country, and when there is only one *Ilaah*, then the whole of mankind is one brotherhood in which racial or national differentiation can have no place. This concept of universal brotherhood and unity of mankind takes birth from the concept of the *Ilaah* of the Quran. The Quran has also informed us of this fact that the creation of the whole of mankind originated froma single cell (39:6) and all human beings are part of one universal brotherhood, among whom the common valueconnecting them is the Oneness of Allah. (Details of these matters will be found at their respective places).

2.4 Addressing Intellect and Reasoning

It is not the way of the Quran to make someone accept a belief contrary to intellect and reasoning; it always appeals to a true intellect and a good heart. When it extended an invitation towards one *Ilaah*, it was not because (Allah forbid) it could not bear to watch the 'gods' of other religions or other nations being worshipped, but was because it is a fact that there can only be one *Ilaah*:

If there were, in the heavens and the earth, other Ilaahs besides Allah, there would have been confusion in both! But glory to Allah, the Rabb of the Throne, (high is He) above what they attribute to Him! (21:22)

Details of this aspect arestatedin another verse as:

No progeny did Allah beget,[1] nor is there any Ilaah along with Him: (if there were

[1] This is a statement of fact which requires our profound attention. Whatever we as human beings acquire as we live our life becomes a part of our self, which we cannot pass on to our children e.g. our experiences, education, training, knowledge etc. Allah's Self is infinitely developed, and He is non-physical as we understand our body; hence there is no question of even having any thought of progeny of Allah. According to the Quran, there is nothing in the universe like Him and He is beyond the ability of human imagination and conception. (Ed)

many Ilaahs), behold, each Ilaah would have taken away what he had created, and some would have lorded it over others! Glory to Allah! (He is free)from the (sort of) thingstheyattribute to Him. (23:91)

Though this is merely a short sentence, from the viewpoint of meaning there is a world of realities concealed within it. By reflecting on the coordination and harmony of the system of the universe, this reality will become evident that this great and mightyscheme is following a special programme, and that there is a precisesynchronization and mutual relationship in the constituents of this machinery which mesmerizes the intellect. This amazing complex cannot function with this degree of order and precision unless theauthority controlling it is not one. In the presence of two forces possessing different intentions this system cannot function for even one moment. In the movement and revolution of the sun, if there is even a difference of one thousandth of a second, the solar system will disintegrate within a moment. Discoveries of science have made this reality clear that those things of the universe which seem apparently independent, isolated and unrelated, are in fact also mutually dependent upon each other and interrelated. From this it is clear that if there are two,or more than two, permanent beingspossessing powers of freedom to choose in arranging the affairs of the universe, then the consequence will bea dichotomy of outcomes! The Quran has used one word,*La-Fasadata*,for this consequencein which the true picture of 'dichotomous outcomes' or anarchy is present. When every link in the chain of somesystem is working correctly in its own place, then that system is functioning optimally, and not being in a state of optimum is called*Fasad*, in which that system becomes disturbed and dispersed, and becomes non-functional, and the mutual coordination and synchronizationbetween its constituentsdisappears. This *Fasad* is created as a result of commands from more than one authority. If there are two fully autonomous drivers inside an engine, then by imagining the consequences which will ensuefrom the implementation of their own individualintentions, the detailed meaning of *La-Fasadata*can be comprehended. The concept of different gods (whether these are permanent entities like *Aharman o Yazdan*[1] or different disciples of one *Brahma*like a goddess or god, or manifestations of his different powers e.g. *Shiv*, *Vishnu*etc.) is a remnant of the infantile intellectual period of the human mind, when it used to be thought that there is no coordination and harmonization between the different parts of the system of the universe, instead, they function separately from each other. Winds blow by their own force, therefore there is a need for the

[1] *Aharman o Yazdan* – two gods in ancient Persian belief system. (Ed)

god *Dayo*. Rain happens with its own force, therefore there is a need for the god *Inder*. Birth, life and death – there is a need for a separate god for each and all. But when human intellect, having reached its adulthood, witnessed this state of the universe through observations and experiencesthat '*split the heart of a particle, and blood will drip from the sun*', thenwhere is the possibility for such a belief that the system of the universe is functioning under more than one authority?

The Quran, which assesses realities on the anvil of knowledge and intellect and erases superstition and ignorance, has stated that that Being is the possessor of infinite powers and limitless authority. And He is not in need of this - that various agents and workers should become His hands and arms and assist Him by being in charge of various departments in order to manage and organise the universe.

Turning away from the physical universe, if we look at the social, public and cultural life of man, there too the modern era is the best (or worst) model of the *Fasad*(confusion and conflict) which is produced by the belief in many 'gods'. The fire of these troubles and conflicts, dissatisfaction and absence of tranquility is raging because men have kept separate 'gods' carved out, and the 'god' of one is engaged in battle with another. (Details of these gods will be given later). In place ofall these different 'gods',makeonereal*Ilaah* the centre and then see if all this chaosconverts into peace or not. This chaos exists only because the human mind has created more than one *Ilaah*. The '*Ilaah*' of one nation does not allow another nation to exist. The 'god' of one nation is devouring up the people of another nation. Every '*Ilaah*', taking its own 'subjects' and its own party with it,is overpoweringthe other. Everywhere there is conflict, there is not a vestige of equilibrium to be found anywhere. The solution of the universal ideology for which man is searching will be foundonly in this doctrine, that the God of all countries and nationsi.e. the whole of mankind, is only one Allah and also that the whole world should follow only His laws. This is the reason why the Quran has opposed *Shirk* so severely because no system can remain in its correct statethrough *Shirk*. Warning after warning is given not to propose any other *Ilaah* with Allah:

> And make not another Ilaah an object of obedience alongwith Allah: I am from Him a warner to you, clear and open! (51:51)

To Be Continued

---

❶ A quote from M. Iqbal, philosopher and poet. (Ed)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآن کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

8- بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہوگیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امور دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن بعد میں مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہوگئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

9- ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام وقوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہوگی۔

10- چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا' اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہوجائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہمد گر مدغم ہوجائیں گے۔

11- جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوجاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی ردو بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے ''خدا اور رسول ﷺ'' کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

12- قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی' روٹی' کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

13- قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہوسکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کرسکتا ہے۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو' یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

14- جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

15- ہم' رسول اللہ ﷺ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

16- طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)' نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز' روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آسکے۔ یہ ہے ہمارا مقصد' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آرہے ہیں۔



(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)



PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.75
ISSUE
5

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/talueislam/ www.youtube.com/idaratolueislam

